تعمیر حیات

چندہ سالانہ
سات روپے
فی پرچہ ۳۰ پیسے

شعبہ
تعمیر و ترقی
دار العلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ

اڈیٹر سید محمد الحسنی
معاون سعید الاعظمی ندوی

۱۰ اگست ۱۹۶۵ء مطابق ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ

Regd No L 1081
Phone No 22948
TAMEER-E-HAYAT
DARULULOOM NADWATULULAMA LUcKNOW (INDIA)

دار العلوم ندوۃ العلماء کا تیار کردہ نصاب

القراءۃ الراشدۃ
از مولانا ابو الحسن علی ندوی
اس کتاب میں اسلامی تاریخ، نامور اسلامی شخصیتوں، ہندوستان کی اسلامی تاریخ ... [illegible]
قیمت حصہ اول ... حصہ دوم ... حصہ سوم ...

قصص النبیین للاطفال
از مولانا ابو الحسن علی ندوی
اس کتاب میں ... [illegible]
قیمت حصہ اول ... حصہ دوم ... حصہ سوم ...

مختارات
از مولانا ابو الحسن علی ندوی
یہ کتاب ... [illegible]
قیمت حصہ اول ... حصہ دوم ...

منثورات
از مولانا ... [illegible]
اس کتاب ... [illegible]
قیمت ...

Cover Printed at Nadwatul Ulama Press LUCKNOW

مجلس مشاورت

مولانا محمد اویس ندوی، شیخ التفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء
مولانا محمد اسحاق ندوی، استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء
مولانا ابو العرفان ندوی، قائمقام مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء
مولانا معین اللہ ندوی، ناظر شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء
مولانا محمد رابع ندوی، ادیب اول دارالعلوم ندوۃ العلماء

مینیجر تعمیر حیات شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء

مضامین وغیرہ کے لئے خط و کتابت اس پتہ پر کی جائے

ایڈیٹر تعمیر حیات شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

قابل توجہ

تعمیر حیات کی قیمت لاگت سے بہت کم رکھی گئی ہے
تاکہ زیادہ سے زیادہ حضرات مستفید ہوسکیں،
اس لئے
اہل استطاعت حضرات سے پرزور گذارش ہے کہ حوصلہ مندی سے
عطیات عطا فرما کر دینی لٹریچر کی نشر و اشاعت اور ادارہ کی
اعانت میں حصہ لیں!

معاونین خصوصی سے ______ 200-00
معاونین سے ______ 100-00 / 50-00
اعزازی خریداران سے ______ 25-00

پاکستان میں چندہ جمع کرنیکا پتہ
مولانا حکیم نصیر الدین صاحب
نظامی ندوی فرئیر روڈ کراچی
(مغربی پاکستان)

لکھنؤ میں تعمیر حیات کا تازہ شمارہ ملنے کا پتہ
جمیل الدین نیوز پیپر ایجنٹ تکیہ اعظم بیگ ۱۸۰ — ۴۰ لکھنؤ

مسلم ممالک میں
اسلامیت اور مغربیت
کی کشمکش

- مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش کی مستند تاریخ
- مغربیت کے رجحان کے آغاز و ارتقاء کی کہانی
- مختلف ممالک میں تجدد کی تحریکوں کا تاریخی جائزہ
- اُن کے اسباب و محرکات اور اُن کا علاج
- مغربی تہذیب کے بارے میں مسلم ممالک کے صحیح رویہ کا تعین
- اقبال عصر حاضر میں اُن کے کردار و پیغام کی تشریح

تالیف: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

کاغذ اعلیٰ، طباعت نور آفسٹ، مجلد، قیمت پانچ روپے

ناشر: مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ

تاریخ دعوت و عزیمت حصہ سوم

از — مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

- سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء
- حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رح
- سوانح حیات، صفات و کمالات، تجدیدی و اصلاحی کارنامے
- تلامذہ و منتسبین و مسترشدین کا تذکرہ و تعارف،
ابتدا میں ہندوستان میں تبلیغ اسلام اور خواجہ بزرگ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح اور ان کے جانشینوں کا تذکرہ!

قیمت: مجلد مع گرد پوش چھ روپے
غیر مجلد پانچ روپے

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ

اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا چندہ ختم ہوگیا، اب آپ سالانہ چندہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں یا وی پی کی اجازت دیں تاکہ اگلا شمارہ وی پی سے بھیجا جائے۔ — منیجر

پندرہ روزہ ۱۵

تعمیر حیات لکھنؤ

شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

سالانہ
سات روپے
ششماہی
چار روپے
فی پرچہ ۳۰ پیسے

جلد ۲ | ۱۰ اگست ۱۹۶۵ء مطابق ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ | شمارہ ۱۹

”جرم عشق“

بجرم عشق توام می کشند غوغائیست
تونیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست

مجھے لکھنؤ سے دور ایک اسپتال میں جہاں کچھ عرصہ سے زیر علاج ہوں "ندائے ملت" کے خصوصی نمبر کی ضبطی اور اس کے متعدد اہل علم و ارکان ادارت کی گرفتاری کی اطلاع اخبارات سے اچانک اسطرح ملی جیسے ملک کے لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کو اس صبح کو یہ اطلاع ملی ہوگی، لیکن ندائے ملت کے ایک بانی اور اس کے ایک ٹرسٹی ہونے کی حیثیت سے اس اطلاع سے مجھے جو خصوصی صدمہ اور حیرت ہوئی وہ بالکل قدرتی اور حق بجانب تھی، اس کا چند منٹ پہلے تک بھی اندازہ نہ تھا کہ علی گڑھ کے مسئلہ میں حکومت کی سراسیمگی، دماغی عدم توازن اور جذباتیت اس حد تک پہونچ جائے گی کہ وہ ندائے ملت جیسے باوقار، متوازن و سنجیدہ اور با اثر اخبار کے ایک ایسے خصوصی نمبر کو جس میں ملک کے مؤقر ترین افراد اور ممتاز ترین مسلم و غیر مسلم اہل قلم و اہل فکر نے شرکت کی ہے، اور نائب صدر جمہوریہ اور دوسرے ذمہ دار ترین حضرات نے اس کے لئے پیام بھیجے ہیں، بغیر کسی معقول تحقیق کے ضبط کرنے کے لئے اقدام کرے گی، اور صحافت کی آزادی کی اس شہرت پر داغ لگائے گی جس پر اس ملک اور حکومت کو سب سے زیادہ ناز تھا، اور جس کا ہم لوگ ...... بھی ہر جگہ فخریہ اعلان کرتے تھے، واقعہ یہ ہے کہ اگر اس اخبار کی اطلاع میں سے صرف سنہ نکال دیا جائے اور کسی ناواقف آدمی کو یہ خبر دکھائی جائے تو اسکو ہرگز یہ خیال نہیں ہوسکتا کہ یہ خبر ۱۹۴۷ء کی آزادی ملک کے بعد کی ہے، اور اس کا تعلق ایک ایسے جزوی واقعہ سے ہے جس میں حکومت اور ملک کے سب سے بڑے اقلیتی فرقہ کے درمیان نقطۂ نظر اور طریق فکر کا اختلاف ہے، وہ یہی سمجھے گا کہ یہ ۱۹۴۷ء کے بعد کا نہیں بلکہ ۱۸۵۷ء کے بعد کا کوئی واقعہ ہے جب ملک کی یہ آبادی حکومت کے شکوک و شبہات کا شکار تھی اور جب برٹش حکومت کی نازک مزاجی اس کے کسی معصوم سے معصوم احتجاج اور ادنیٰ سے ادنیٰ شکایت کی تاب نہ لاسکتی تھی اور جب بے بات کی بات میں شریفوں کی شرافت اور عزت داروں کی عزت خاک میں ملجاتی تھی، میرا دماغ اس بات کو سمجھنے سے بالکل قاصر ہے کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کس فساد و بغاوت کا سرچشمہ تھی اور اس سے ملک کے نظم و نسق اور جمہوریت کو وہ کونسا خطرہ لاحق تھا جسکی وجہ سے اسکی فوری اصلاح اور اس خطرہ کا سد باب اتنا ضروری تھا کہ اس کیلئے ملک کی اس چھوٹی سی آبادی کے جذبات کا لحاظ کرنا بالکل ضروری نہیں سمجھا گیا، اسی طرح میں یہ بات سمجھنے سے بالکل قاصر ہوں ایک ایسی شخصیت کی خاطر جسکا نہ تو ملکی خدمات کا کوئی سابق ریکارڈ ہے اور نہ اس نے اسوقت تک کوئی کارنمایاں انجام دیا ہے اور نہ اسکو اس فرقہ کی حمایت و ہمدردی حاصل ہے جسکا وہ ایک فرد سمجھا جاتا ہے اور جو اسکے پیچھے ملک کی کوئی جماعت یا رائے عامہ ہے کیسے اس عظیم اقلیت کو ناراض کیا جاسکتا ہے اور اس کے اظہار خیال کی آزادی پر پابندیاں عائد کی جاسکتی ہیں جو پہلے بھی اپنی تعداد و صلاحیتوں اور قربانیوں کی بنا پر اور اب بھی اپنی بہت سی خصوصیتوں کی بنا پر ملک کی ایک فیصلہ کن طاقت ہے اور بیرونی دنیا سے لیکر الیکشن کے اندرونی میدان تک میں اسکی رائے، پسندیدگی اور ناپسندیدگی، خوشنودی یا مخالفت بڑا وزن رکھتی ہے اور کسی طرح بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں، بہرحال ندائے ملت کے اس خصوصی نمبر کے سلسلہ میں حکومت نے جو اقدام کیا ہے اسکو کسی طرح مدبرانہ اور دانشمندانہ نہیں کہا جاسکتا، اس نے ملک کے باہر اور اندر ملت میں بدنامی مول لی ہے، ایک غلطی کو نباہنے کیلئے مسلسل غلطیاں کرتے رہنا اور ایک شخص کی خاطر ملک کے ایک بڑے حصہ کو ناراض کرنا کسی طرح بھی کوئی دانشمندانہ عمل اور سیاسی میدان میں جو سراسر نفع و نقصان کے صحیح موازنہ اور فوری صحیح فیصلے کا نام ہے کوئی صحیح اقدام نہیں، جن لوگوں نے حکومت کو اس اقدام کا مشورہ دیا انہوں نے حکومت کی خدمت نہیں بلکہ بدخدمتی کی ہے اور انہوں نے حکومت کی شہرت و عزت کو بٹہ لگایا ہے، آخر میں ہم اس حادثہ پر اپنے رنج وملال کا اظہار کرتا ہوں اور ندائے ملت کے ادارہ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ اسکو اپنے ملک و ملت کی خدمت کے سلسلہ اور حق گوئی کے صلہ میں قید و بند کی وہ منزل بھی پیش آگئی جس پر بڑے بڑے اولوالعزم لوگوں نے فخر کیا ہے۔

بجرم عشق توام می کشند غوغائیست ٭ تونیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست

ابوالحسن علی

میر جعفران ملت سے

ملت کو کیسے بچایا جائے؟

ابو محمد امام الدین ...... رام نگری

ہم نے ۲۵ر جولائی کے تعمیر حیات کے افتتاحیہ کو غور و توجہ سے پڑھا۔ ہم پر اس افتتاحیہ کا جو رد عمل ہوا ہم چاہتے ہیں کہ اُسے دوسروں کے سامنے بھی پیش کریں افتتاحیہ کے آغاز میں بتایا گیا ہے کہ آزادی کے بعد کے ۲۰ برسوں میں ہماری فکر و توجہ اور ہماری جد و جہد کا مرکز و محور صرف دو چیزیں رہی ہیں، ایک چیز خوشامد اور دوسری چیز دستور ہند کی دہائی، پھر دستور ہند کی تعریف و تحسین کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ کوئی دستور سازگار نہیں ہو سکتا، جبکہ دستور حیات پیش نظر نہ ہو اور وہ ہماری زندگی کا حقیقی محور نہ ہو اور ہم نے یہی نہیں کیا، اسی سلسلے میں آگے چل کر کہا گیا ہے۔

"ہم نے تیسرے درجے کے شہری یا اچھوت ہو کر زندگی گزارنے کا سامان اپنے لئے خود اپنے ہاتھوں سے کیا ہے پھر دوسروں سے اس کا کیا شکوہ؟

ہم نے اپنے لئے اس چمن ہند میں، جھاڑیوں کے پیچھے اور نشیبی حصوں میں بڑی سنجیدگی کے ساتھ ایک ایسی دور افتادہ جگہ تلاش کی ہے جہاں اس چمن کی روح پرور ہوا کا بھی گذر نہ ہو اور جہاں ہماری آواز بھی کسی پردۂ سماعت سے نہ ٹکرائے۔"

یہ ہے ہماری حالت کی دردناک اور عبرت انگیز تصویر اب سوال یہ ہے کہ ملت کا وہ کون سا طبقہ ہے جس نے ملت کو خوشامد کی ذلت اور دستور کی بھول بھلیوں میں بتلا کر رکھا ہے اور کس نے ملت کو اس پست اور ذلیل مقام تک پہونچا دیا ہے جس کا دلدوز نقشہ اوپر کے اقتباس میں کھینچا گیا ہے۔ یہ وقت اشاروں کنایوں میں گفتگو کرنے کا نہیں ہے، یہ آخری فرصت ہے اگر اس وقت بھی واضح اور فیصلہ کن طریقہ اختیار نہ کیا گیا اور جو ... عنصر اور طبقہ ... ملت کو اس مقام تک پہونچانے کا ذمہ دار ہے اسے پورے طور پر بے نقاب نہ کر دیا گیا اور ملت کو اس کے پنجے سے آزاد نہ کرایا گیا تو نہیں کہا جا سکتا کہ ملت کا کیا حشر ہوگا؟ اندیشہ تو یہی ہے کہ اندلس کی جو تاریخ بخارا اور ترکستان میں دہرائی گئی وہی تاریخ یہاں بھی دہرائی جائے۔

ملت کا جو طبقہ مسلمانوں کو ذلت و پستی کے انتہائی مقام تک پہونچانے کا ذمہ دار ہے، ہم سمجھتے ہیں اب وہ اتنا نقاب پوش نہیں رہا کہ مسلمان اُسے پہچانتے نہ ہوں وہ خود اپنے واضح طرز عمل سے اپنے کو دنیا کے سامنے بے نقاب کرتا رہتا ہے۔

وہ طبقہ ہے نام نہاد قوم پروروں کا ہم نے قوم پرور کا لفظ دانستہ استعمال نہیں کیا ہے، نام نہاد قوم پرور کا لفظ استعمال کیا ہے اسلئے کہ قوم پروری کا عام طبقہ ملت کے ساتھ اور اس کے دکھ درد کا شریک ہے، مسلمانوں کی ذلت و نکبت کا ذمہ دار ایک مختصر سا گروہ ہے جو صرف اپنے کو قوم پرور کہتا ہے اور جو قوم پرور ملت کے شریک حال ہیں ان کو فرقہ پرست قرار دیتا ہے خواہ وہ موخر الذکر قوم پروروں کی وطنی قربانیوں کے اعتبار سے اس کی آخری صف میں بھی جگہ پانے کے قابل نہ ہو۔ یہ نام نہاد قوم پرور طبقہ ہے۔ منصب داران حکومت کا، اس کے نمک خواروں کا اور اس سے خفیہ اور علانیہ سازباز رکھنے والوں کا جو ارباب حکومت کو بھی دھوکا دیتا اور باور کرتا ہے کہ ہندوستان کے چھ کروڑ مسلمان اس کے مطیع و فرمانبردار ہیں، انھیں قوم پروروں کے دام فریب سے دنیا کو باخبر کرنا اور حکومت کو یہ سمجھانا ہے کہ ہر ملت اسلامیہ ان کو کس نگاہ سے دیکھتی ہے اور ان سے کس قدر بیزار ہے اور مسلمانوں کو ان کے دام فریب سے باہر نکالنا ہے

ایسے نام نہاد قوم پرور لیڈروں سے بھی کھل کر مسلمانوں کو باخبر کرنا چاہیئے۔ لیڈروں کا یہ گروہ مسلم یونیورسٹی کے مسئلے کو لے کر بھی اپنے کنونشن اور اجتماعات کرتا رہتا ہے، اور مسلم یونیورسٹی کے اسلامی کردار و امتیاز کے حامیوں کو علانیہ فرقہ پرست اور فتنہ پرداز

(بقیہ ص ۱۵ پر)

غزل

حکیم انجم ۔ مئو ناتھ بھنجن

تو جادۂ ہستی میں خطروں سے نڈر پہلے
بھولو نکی جو خواہش ہے کانٹوں سے گذر پہلے

گرداب حوادث ہی بچائیگا خود کشتی
طوفان سے ٹکرانا سیکھے تو بشر پہلے

اتنا تو نہیں ملتی غایتِ ساحل بھی
موجوں سے گریزاں کیوں موجوں سے گذر پہلے

مشکل ہی سے ٹوٹی ہیں ظلمت کی یہ زنجیریں
ہر شام سے اُلجھا تھا اک نورِ سحر پہلے

تم نے تو نگاہوں کا عالم ہی بدل ڈالا
اتنا تو نہ تھا رنگیں عنوانِ نظر پہلے

اُٹھ عزم مصمم کر! توہین ہنر یوں جینا
اے آدمی پیدا کر لالے کا جگر پہلے

ملتی ہے بہر صورت گل پیرہنی اُس کو
ہوتی ہے یہاں جسکی شعلوں میں بسر پہلے

بالائے محبت میں ہوتے ہیں ستم لیکن
اس راہ میں لٹتا ہے ایمانِ نظر پہلے

محکم ہو یقیں انجمؔ پھر کیا غم و اندیشہ
منزل تجھے خود ڈھونڈے کر عزم سفر پہلے

ایک تاریخ یاد

چار ہم نام معاصر علماء

ندوۃ العلماء کے ایک اجلاس میں

ندوۃ العلماء کا جو سالانہ اجلاس لکھنؤ میں دارالعلوم کی عمارت میں نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمان خاں شروانی مرحوم کی صدارت میں سنہ ۱۹۲۵ء میں منعقد ہوا تھا اس میں حسن اتفاق سے ملک کے چار ہم معاصر علماء جن میں ہر ایک اپنے رنگ میں کامل و بے مثال تھا جمع ہوگئے تھے یہ چاروں سلیمان نام کے تھے۔

(۱) یعنی مولانا شاہ محمد سلیمان پھلواروی (۲) مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری (۳) مولانا سلیمان اشرف بہاری (۴) مولانا سید سلیمان ندوی۔

ان چاروں سلیمانوں کا مختصر تعارف آج کی نئی نسل بھی سن لے۔

(۱) عمر میں سب سے بڑے اور ایک زمانہ میں سب سے زیادہ شہرت رکھنے والے مولانا شاہ محمد سلیمان پھلواروی تھے، واعظ و خطیب کی حیثیت سے لاثانی و بے بدل تھے، سیرت طیبہ کے موضوع پر ان کی تقریریں بڑی وجد آفریں ہوتی تھیں، نصف صدی سے زائد مدت تک ہندوستان کے طول و عرض میں ان کی خطابت کی گونج سنائی دیتی رہی دارالعلوم ندوۃ العلماء کے سالانہ اجلاسوں اور سر سید اور نواب محسن الملک کے زمانہ میں آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ جلسوں میں ان کی تقریریں بڑی دلچسپی سے سنی جاتی تھیں بلکہ ان جلسوں کی جان سمجھی جاتی تھیں جن علماء کرام نے اولاً ایم اے او کالج علی گڑھ پھر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے قیام ...... کی مہم میں جدید طبقہ کا ساتھ دیا ان میں شاہ صاحب خاص طور سے قابل ذکر ہیں، ان کے مواعظ کے اثر سے اس درسگاہ کو بہت چندے ملے اور آپ نے اس کے چندوں کی فراہمی کے لئے ملک کے دورے بھی کئے۔ سر سید مرحوم نے ان کی ایک تقریر جو انہوں نے ندوہ کے سالانہ اجلاس میں کی تھی اپنے اخبار میں شاہ سلیمان کا "نیچریانہ وعظ" کے عنوان سے چھاپا تھا۔

ان کی تقریروں اور وعظوں میں مثنوی مولانا روم کے اشعار کثرت سے ہوتے تھے، جن میں وہ خاص لحن کے ساتھ پڑھتے اور حاضرین کو بالکل مسحور کر دیتے تھے، تحریک خلافت و ترک موالات میں بھی انھوں نے نمایاں حصہ لیا تھا ایک زمانہ میں دارالعلوم ندوہ کے معتمد تعلیمات بھی رہے تھے اپنے عہد کے نامور صوفیوں میں تھے اور ایک آل انڈیا بزم صوفیہ بھی قائم کر رکھی تھی ان کے مریدوں کا سلسلہ بہار کے علاوہ دوسرے صوبجات سندھ، پنجاب، یوپی، مدراس وغیرہ میں تھا۔

جس اجلاس میں یہ چاروں سلیمان جمع تھے شاہ صاحب نے یہ دلچسپ فقرہ ارشاد فرمایا تھا

آج کل کئی کئی سلیمان پیدا
ہوگئے ہیں لیکن ان میں سلیمان
ابن داؤد میں ہی ہوں
ع پریاں نئی نئی ہیں سلیمان نئے نئے

(شاہ صاحب کے والد ماجد کا اسم گرامی داؤد تھا) اس لئے ان کی مہر میں قرآنی آیت "وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ" کندہ تھا۔ آپ نے ۳۱ مئی ۱۹۳۵ء مطابق ۲۷ صفر ۱۳۵۴ھ یوم جمعہ کو ۸۵ برس کی عمر میں وفات پائی۔

(۲) مولانا قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری جماعت اہلحدیث سے تعلق رکھتے تھے لیکن بڑے وسیع المشرب اور محقق عالم تھے، منصور پور ریاست پٹیالہ کے رہنے والے تھے ان کی محققانہ کتاب سیرت نبوی کے موضوع پر "رحمۃ للعالمین" اور "سیرۃ النبی" شبلی کے بعد اردو کتب سیرت میں مقبول ترین ہے اس کے کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں، تحقیق روایات کا انھوں نے خاص خیال رکھا ہے اور یہود و نصاریٰ کی کتب کا بنظر غائر مطالعہ کر کے ان سے تصدیق رسالت محمدیہ اور احکام اسلام کی برتری کا ثبوت بہم پہونچایا ہے۔ اس کے علاوہ ان کی اور متعدد قابل قدر تصانیف ہیں جن میں سورہ یوسف کی تفسیر الجمال والکمال اور ان کا سفرنامۂ حج سبیل ارشاد خاص طور سے لائق ذکر ہیں۔ تحریر کے ساتھ کبھی کبھی سنجیدہ علمی و دینی موضوعات پر تقریر بھی کرتے تھے، ندوۃ العلماء کے اس اجلاس میں ان کی ایک عالمانہ تقریر ہوئی تھی ان کی وفات شاہ سلیمان پھلواروی کی وفات سے چند سال قبل ہوئی تھی۔

(۳) مولانا شاہ محمد سلیمان اشرف بہاری یہ عرصۂ دراز تک مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں استاذ و صدر شعبۂ دینیات رہے تھے ان کا درس تفسیر قرآن علی گڑھ کے نہ معلوم کتنے طلبہ کی زندگی اسلامی بنانے میں معین ہوا تھا، خوش عقیدگی غالب تھی، تقریروں اور مواعظ میں ایک خاص کیفیت سامعین محسوس کرتے تھے ان کی متعدد تصانیف ہیں جن میں الایمان (جس میں عقائد اسلامی اور ضروری احکام شریعت کا بیان ہے) عرصہ تک مسلم یونیورسٹی کے شعبہ دینیات میں داخل نصاب رہی ہے۔ مسائل حج پر ان کی کتاب "الحج" بھی عازمین حج کے لئے زادِ حج بہترین رہنما کی حیثیت رکھتی ہے تحریک خلافت و ترک موالات میں ان کا مسلک جمہور علماء سے الگ تھا۔ اس وقت ان کے قلم سے متعدد رسائل۔ الرشاد۔ النور وغیرہ اس موضوع پر نکلے تھے،

(۴) مولانا سید سلیمان ندوی جانشین علامہ شبلی نعمانی رح و بانی دارالمصنفین اعظم گڑھ فرط شہرت میں کسی تعارف کے محتاج نہیں، ندوۃ العلماء کے مشہور ترین فرزندوں میں سے تھے استاد کی ناتمام تصنیف سیرۃ النبی کے ضخیم مجلدات کی تکمیل کی، سیرت عائشہ، خطبات مدراس، ارض القرآن، حیات امام مالک، خیام، لغات جدیدہ، عرب و ہند کے تعلقات وغیرہ کئی بلند پایہ کتابیں تصنیف کیں، دارالمصنفین کا عالمی شہرت رکھنے والا تصنیفی ادارہ قائم کیا اور یہاں سے اردو کا بہترین علمی رسالہ "معارف" نکالا۔ سالہا سال اسکے ایڈیٹر رہے، ان کے قلم کے شذرات، مقالات، تبصرے، اور وفیات سبھی کا ہر ہر سطر قابل مطالعہ ہوتی تھی، تحریک خلافت میں حصہ لیا بعد خلافت کے رکن کی حیثیت سے مولانا محمد علی کے ساتھ میں انگلستان اور یورپ کا اور پھر ایک اور وفد خلافت کے رکن کی حیثیت سے حجاز کا سفر کیا قیام پاکستان کے کچھ عرصہ بعد کراچی چلے گئے اور وہیں عالم مہاجرت میں وفات پائی۔

(بقیہ صـ پر)

(عتیق الرحمٰن آروی)

سید الملت کی عرفانی زندگی

قسط دوم

دامن سنّی سے تعلق رکھنے والے جانتے ہیں کہ وہاں تک پہونچنا بیعت کرنی اور سب سے بڑھکر خلافت حاصل کرنی کتنا اہم اور دشوار کام ہے، کتنے ان کی پابندی اوقات سے گھبرا کر محروم چلے جاتے ہیں، کتنے منازل سکون کی سختیوں سے گھبرا اٹھتے ہیں، کتنوں نے اس راہ میں قدم رکھنے کی جرأت ہی نہ کی، مگر سید صاحب تھوڑے ہی عرصہ میں یہ تمام مراحل طے کر لئے اور حضرت تھانوی کے صاحب الیمین میں بھی مقربین میں ہو گئے جس پر دوسروں کو بھی رشک آنے لگا اور عش عش کر کے رہ گئے کہ ایک ہی جست میں سید صاحب کس طرح اتنے بلند مرتبہ پر پہونچ گئے

واللّٰہ یجتبی الیہ من یشاء

مولانا ابو حبیب کے فیض صحبت نے قلب سلیمانی پر جو گہرا اور دائمی اثر ڈالا، ہزاروں کتاب مطالعہ کرنے اور ایک مدت گذر جانے کے باوجود اس کا نقش جوں کا توں باقی تھا، بلکہ امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ اور ترقی کرتا جاتا تھا۔ اس لئے اب ضرورت محسوس ہوتی، ایک مرشد کی جو جنبش داماں کا کام انجام دے سکے اور زیادہ تصوف سے سرشار کر سکے،

ع آتش افتاد بجاں جنبش داماں مدتے

مگر کس کو مرشد بنایا جائے؟ کس کے سامنے اپنے روحانی دکھ درد کی روداد پیش کی جائے، اور علاج کرایا جائے، یہ ایک اہم سوال تھا؟ جس کے حل کرنے میں کامل دس سال سے کوشش جاری تھی، اور صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ پورے عالم اسلام پر نظر پڑی تھی، لیکن نگاہ انتخاب کسی پر جمتی نہ تھی، سندھ کے مشہور شیخ مولانا محمد حسن صاحب اس وقت حیات تھے، ان کے علم و تقدس کا شہرہ پورے ہندوستان میں تھا، حضرت علام کا ارادہ ہوا کہ سندھ کا سفر خاص زیارت کی غرض سے کیا جائے، اور مناسبت پیدا ہو جائے تو انھیں کو اپنا مرشد بنا لیا جائے، لیکن یہ بھی نہ ہو سکا جہاں بھی نظر پڑتی یا تو بدعات و رسوم کا زور نظر آتا جس سے طبیعت متنفر ہو گئی یا کوئی ایسی شخصیت ملی جس سے طبیعت کو انس نہ تھا، ایک بار مولانا گیلانی نے چاہا، کہ مولانا محمد حسین حیدرآبادی سے ارادت سلیمانی قائم ہو جائے مگر عدم مناسبت کی بنا پر یہ کوشش بار آور نہ ہو سکی،

حضرت علام کو اصلی کشش حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے تھی لیکن وہ چونکہ عالم قدس کو سدھار گئے اس لئے تلاش شیخ میں دشواریاں پیش آئیں اور دس برس اسی تلاش میں لگے رہے،

حضرت علام خود فرماتے ہیں؛

کامل دس برس تک چپے ہی چپے ہندستان سے عرب تک نظر دوڑاتا رہا لیکن کوئی ہستی ایسی نظر نہ آتی تھی جو میرے درد کی درمانی کر سکے، بعض بزرگ ملے بھی تو طبیعت کو ان سے مناسبت نہیں ہوئی، بار بار یہی خیال آتا تھا کہ کاش حضرت حاجی امداد اللہ صاحب حیات ہوتے — (تذکرہ سلیمانی ص۳۰)

اسی دوران میں حکیم الاُمت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی سے خط و کتابت کی ایک غیبی صورت پیدا ہو گئی جو حضرت حاجی امداد اللہ کے سچے جانشین، خانقاہ امدادیہ کا روشن چراغ، فقہ و قرآن کا ماہر، حکمت و شریعت کا مخزن، حدیث و تفسیر کا عالم بے بدل، تصوف و سلوک کا محرم راز تھے، پھر یہاں حضرت علام کو انسیت پیدا نہ ہوتی تو اور کہاں ہوتی، علم پر نظر کرتے تو ایک سمندر ناپیدا کنار اور عرفان و تصوف کے میدان میں دیکھتے تو پورے عالم اسلام میں لاجواب — سمجھا گیا تھا۔

خط و کتابت کے محرکات پیدا ہو ہی گئے تھے، جٹ ایک خط لکھ بھیجا، پورا خط نقل کون کرے مضمون طول پکڑ لے گا، اس کے چند اقتباسات پر اکتفا کیجئے، سوچنے غور کرنے اور عبرت پکڑنے کی یہ بات ہے کہ جو خود اپنے وقت کے واحد شخص ہو علم و تحقیق کی دنیا میں اپنا مثال نہ رکھتا ہو وہ کسی تواضع اور کسی کسر نفس کے .... ساتھ اپنا درد دل بیان کر رہا ہے۔ اس کے اظہار کرنے میں اس کا دل نہ کوئی ملامت کر رہا ہے اور نہ دنیاوی و علمی جاہ و جلال مانع ہو رہے ہیں، سچ ہے نفس امارہ نیک کام کرنے ہرگز نہیں دیتا نہ انسان کو خدا کی طرف جھکنے دیتا اور نہ اپنی برائیوں کو کھلے عام بیان کرنے کی اجازت دیتا ہے۔

ان النفس لامارۃ بالسوء مگر جس کے قلب پر مہر ربانی لگ چکی ہے، اس لئے دل پر کسی شیطان کی طاقت ہے کہ قبضہ کر سکے اور کون سا نفس ہے جو اپنی غلطیوں، لغزشوں، خطاؤں کے بیان کرنے پر حائل ہو سکے، یہی مطلب ہے الا ما رحم ربی کا حضرت سید صاحب خدا کے فضل سے پہلی جماعتوں میں نہیں بلکہ دوسری جماعتوں میں تھے، ان کا شمار نفس امارہ والے گروہوں میں نہیں بلکہ نفس مطمئنہ والے گروہ میں تھا؛ جس کا نفس بچپن ہی سے مر چکا تھا، بڑائی، نخوت خود رائی خود پسندی جیسی بری خصلتوں سے کوسوں دور تھے اور یہی آج ہر کہ بلا جھجک پنا روحانی مرض پیش کر دیا۔

دو تین خط کے اقتباسات پڑھئے اور اندازہ کیجئے کہ آج کوئی ایسا عالم ہے جو اتنے بڑے مرتبہ پر پہنچنے کے بعد بھی فنا فی اللہ اور فنا فی الشیخ کی اس منزل تک پہونچ جائے، اور اس میں کسی قسم کی عار اور رکاوٹ محسوس نہ کرے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

پہلا خط جس میں حضرت سید صاحب نے اپنی روحانی بے چینی اور قلبی اضطراب کا اظہار کیا ہے اس کے اخیر کا ٹکڑا یہ ہے۔

"بار بار میرا دل جب زمانے کے فتن حوادث سے گھبرا اٹھتا ہے اور بے اختیار کسی طمانیت و سکینت کی تلاش ہوتی ہے تو خانقاہ امدادیہ کی یاد آتی ہے، لیکن ڈر تھا کہ اجنبیت و بیگانگی سے میرے متعلق کیا کیا اب تک پہونچا ہو اور آپ مجھے تخاطب کا اہل بھی سمجھیں یا نہیں اب میں تو اس رسالہ استفتاء (کشف الدجیٰ) کا ممنون ہوں کہ اس اجنبیت و بیگانگی کی جگہ اس کی بدولت انسیت و یک جہتی کی صورت پیدا ہوئی، اب میں اس کشمکش کی منزل میں ہوں جس میں علوم ظاہری تسکین کا باعث نہیں بنتے —"

دعا کا طالب و ہمت کا خواستگار ہوں۔ "سلیمان ندوی"

دوسرے خط کا بھی ایک اقتباس ...... ملاحظہ کیجئے اور دیکھئے کہ حضرت سید صاحب نے کس طرح قلبی واردات اور اپنے نقائص کو کھول کر رکھ دیا ہے۔

"مولانا! میں آپ کی دعا و دعوت کا بہترین مستحق ہوں، مسائل علمی کی الجھن سے نجات کا خواستگار نہیں بلکہ روح کی الجھن سے نجات کے لئے دعا و ہمت کا طالب ہوں —"

"میرے لئے کوئی ایسا نسخہ تجویز فرمائیں کہ مجھ میں استقامت و تثبت اور رغبت الی الطاعت پیدا ہو، فرائض کا پابند ہوں، بدعات سے نفور ہوں کبھی ذوق سجود کی لذت بھی پاتا ہوں امام ربانی مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے سلسلہ سے عقیدت تامہ رکھتا ہوں، خرافات و طامات صوفیہ کا دل سے منکر ہوں صالح نہیں لیکن صلاح حال کا دل سے خواستگار ہوں، یورپ کے مذہبی و علمی حملوں کے مقابلہ میں اسلام کی خدمت کا ولولہ ہے اور اب تک پچیس ۲۵ برس کا زمانہ انھیں مشاغل میں گذرا، اب آپ سے دعا کا طالب ہمت کا خواستگار ہوں اور حصول اخلاص اور اصلاح قلب کے لئے کسی نسخہ کا سائل ہوں۔

سلیمان ندوی ۲۱ شعبان ۱۳۴۶ھ

اس کے علاوہ عرصہ تک دونوں جانب سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا، اور دن پر دن قلبی لگاؤ بڑھتا رہا لیکن ملاقات کی نوبت نہ آ سکی تھی، حضرت علام کی بہت تمنا رہی کہ کسی طرح حضرت تھانوی کا دیدار ہو مگر اسباب میسر نہ آسکے، ادھر حضرت تھانوی بھی ملاقات کے لئے تڑپ رہے تھے گویا —

ع دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی

یہ تڑپ یہ جذب کشش بالآخر رنگ لائے اور ملاقات کے اسباب بہم پہنچائے جس کی وجہ سے شیخ کے مرتے دم تک محبت والفت کا رنگ پورا پورا غالب رہا، بلکہ "جمال ہم نشیں" نے ایسا اثر ڈالا کہ کچھ عرصہ بعد یہ شناخت مشکل ہو گئی کہ وہ دونوں دو ہیں یا ایک ہی بالکل وہی حال جو حضرت نظام الدین اولیاء اور امیر خسرو کے ساتھ ہوا تھا اور یہ دونوں بعینہ اس شعر کے مصداق ہو گئے تھے جس شعر کے نظام الدین اولیاء اور امیر خسرو مصداق تھے،

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نگوید بعد ازاں من دیگرم تو دیگری

قصہ یہ ہوا کہ ۱۹۳۵ء میں حضرت علامہ سید صاحب ڈاکٹر اقبال کی دعوت پر لاہور تشریف لے گئے تھے، خیال ہوا کہ مدتوں سے حضرت تھانوی سے ملاقات کرنیکا ارادہ ہے کیوں نہیں واپسی کے وقت "تھانہ بھون" کچھ دیر کے لئے اتر جاتیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور اچانک مرشد تھانوی کی زیارت نصیب ہو گئی، اس ملاقات سے خود شیخ کے دل پر حضرت علام کے قلبی لگاؤ، تواضع، عجز و انکساری کا کیا اثر پڑا؟ اس کا تاثر بھی خود شیخ کی زبانی سنئے۔

مولانا عبد الماجد دریابادی کے ایک مکتوب میں اس کا ذکر فرماتے ہیں:

"مولانا سید سلیمان ندوی صاحب دفعۃً تشریف لے آئے، میں مکان پر تھا سنتے ہی حاضر ہوا۔ میرے ذہن میں ان کا جثہ طویل و عریض تھا، ملا تو متدل الخلقت پاکر قلب کو بہت انس ہوا پھر ملاقات و مکالمت سے ان کی تواضع و سادگی و رعایت جلیس کو دیکھکر تو مسخر ہی ہو گیا، گیارہ بجے تشریف لائے تین بجے واپس تشریف لے گئے مجلس میں بہت دیر تک ثنا خوانی کرتا رہا"

دوسری ملاقات اس وقت ہوئی جب حضرت تھانوی علاج کی غرض سے لکھنؤ تشریف لائے تھے، حضرت علام عدم اطلاع کی بنا پر پہلے تھانہ بھون گئے لیکن جب معلوم ہوا کہ حضرت تھانوی لکھنؤ گئے ہیں تو واپس آکر یہیں ملاقات کی۔

چونکہ حضرت تھانوی علیل تھے اس لئے عام لوگوں کی آمد و رفت کی اجازت نہ تھی لیکن جب حضرت علام کے آنے کی اطلاع ملی تو دفعتاً بلا لئے گئے، اور ان کی درخواست پر تربیت کی خدمت بلا تامل قبول کر لی گئی۔

لکھنؤ میں چار ہی روز صحبت رہی مگر مولانا تھانوی کے صحبت و شفقت نے قلب سلیمانی پر وہ کام کیا کہ اسی وقت سے ان کے جاں نثاروں میں ہو گئے اور تصوف و عرفانیت کا ایسا گہرا رنگ چڑھا کہ پھر مرتے دم تک کبھی اس کا اثر زائل نہ ہو سکا بلکہ صبغۃ اللہ میں پورے طور پر رنگ گئے جو تمام رنگوں میں بہتر اور لازوال ہے۔

ومن احسن من اللہ صبغۃ، اس کا تذکرہ حضرت سید صاحب خود کرتے ہیں؛

"لکھنؤ میں چار ہی روز صحبت رہی مگر مولانا (تھانوی) کی شفقت میری عقیدت کو بڑھاتی رہی اور آخر ان کی ہدایت کے بموجب اور آپ (مولانا عبد الباری) کا مشورہ تو پہلے ہی تھا، باب مکاتبت وا ہے اور اب تو وہی وہ ہیں۔

ع آتے ہیں خیالوں میں نگاہوں میں تیرے

معائنے سے بڑھ کر تصور میں مکالے تک، نوبت آتی ہے —

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

بہرحال اپنی طرف سے سفر شروع کر دیا ہے، منزل پر پہنچانا جس کا کام ہے وہ پہونچائے گا — دعا کیجئے — مولانا کے واعظ رسائل پڑھتا ہوں، اکثر علمی مسائل بھی اپنے مذاق کے مطابق پائے، اور احوال و کیفیات میں ان سے نئی نئی گرہیں کھلتی ہیں، افسوس کہ اتنے دنوں کیوں غافل رہا ہے؟"

(تذکرہ سلیمان ص۱۱۱)

انھیں دو تین ملاقاتوں میں حضرت سید صاحب کی حالت یکسر بدل گئی، پہلے لکھنے پڑھنے، تصنیف و تالیف سے دلچسپی تھی، کتب بینی میں ذوق کو تسکین حاصل ہوتی، واہ واہ سے طبیعت خوش ہوتی تھی اب یہ تمام باتیں دل سے نکل گئیں، اب صرف ذکر اللہ میں سکون ملتا، خلوت میں زندگی کا لطف پاتے، دوستو احباب کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے میں کوئی مزا نہ آتا۔

حضرت علامہ نے مولانا عبد الباری صاحب کے پاس، جو

مکتوب لکھا ہے اس سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں،

(۱) دس بارہ برس سے جو چیز نظری طور پر سمجھ میں نہ آئی تھی وہ عملاً سمجھ میں آگئی اور اب تلافی مافات میں مصروف ہوں۔

لعل اللہ یرزقنی صلاحا

اپنی اس حالت کا نقشہ مولانا مسعود عالم ندوی کے ایک خط میں بھی کھینچا ہے۔

"واہ واہ کا مزہ بہت اٹھا چکا، اور اب یہ زنگ دل سے اتر چکا اب تو آہ آہ کا دور ہے اور اپنی پچھلی تباہی کا ماتم اور آئندہ کی فکر درپیش ہے ــــ"

(مکاتیب سلیمان ص۱۱۹)

اس آہ آہ (یعنی کثرت استغفار و ذکر) کی کثرت کتنی تھی اور اس کی دھن ان پر کس قدر سوار رہتی تھی رفقائے دارالمصنفین کی تحریروں سے اس کا اندازہ لگائیے کیونکہ ان دنوں سید صاحب دارالمصنفین ہی میں رہا کرتے تھے پھر رفقائے دارالمصنفین سے بڑھ کر کون زیادہ ان کا حال جان سکتا ہے۔

ایک صاحب فرماتے ہیں کہ،

"دارالمصنفین کے در و دیوار پر اس کا اثر چھا گیا تھا ــ"

سید صباح الدین صاحب لکھتے ہیں:

"اس تعلق کے ساتھ سید صاحب کے لیل و نہار ہی بدل گئے، اگرچہ ان کی پوری زندگی دینداری اور پرہیزگاری میں گذری تھی لیکن بادۂ طریقت سے سرشار ہونے کے بعد ان کی دینداری میں تقویٰ و ورع کا اور بھی زیادہ گہرا رنگ پیدا ہوگیا، عبادت و ریاضت بڑھ گئی، ذکر خفی کے ساتھ ذکر جلی بھی کرنے لگے، تقریر و خطابت نے وعظ و پند کی شکل اختیار کرلی، زیادہ وقت علمی مذاکروں کے بجائے رشد و ہدایت میں صرف ہونے لگا ــــ"

(سلیمان نمبر ص۳۴)

حضرت والا کے داماد نے سب سے زیادہ تفصیلی نقشہ ان کی روزمرہ کی زندگی کا کھینچا ہے جس کو پڑھ کر دل پر ایک خاص اثر ہوتا ہے، ساتھ ہی یہ بھی عبرت حاصل ہوتی ہے انسان کو اس دنیا میں کس طرح زندگی گذارنی چاہئے خدا کے ذکر سے عاری ہو کر یا ان کے ذکر میں مستغرق ہو کر، دنیا میں انہماک تام پیدا کرکے یا برائے ضرورت تعلق پیدا کرکے پورے تفصیلی حالات کو پڑھئے اور اپنے نفس سے محاسبہ کیجئے کہ آپ کا نفس آپ کو کہاں پہونچاتا ہے۔

"پہلے دارالمصنفین کے کاموں سے خالی اوقات کا اکثر حصہ اہل و عیال کے ساتھ دینی مذاکرہ میں صرف فرماتے یا چھوٹے بچوں سے بذلہ سنجی میں، اب اوقات کا بڑا حصہ خلوت میں گزرتا، خواہ مسجد میں ہو یا اپنے کمرہ میں ــــ پہلے عصر کے بعد چائے رفقائے دارالمصنفین کے ساتھ نوش فرماتے اور مغرب تک ان سے مختلف مسائل پر گفتگو فرماتے، یہ مجلس بھی ختم ہوگئی، کبھی اعزہ اہلیہ محترمہ سے اشتیاق ظاہر کرتے کہ قبلہ سے کچھ باتیں سنوا دیجئے، عرصہ ہوا کہ ان کی صحبت میسر نہیں آئی تو وہ جاکر خلوت سے آتیں اور کچھ دیر کے لئے آپ تشریف لے آتے، اہل و عیال اور احباء کی درخواست آپ کم مسترد فرماتے تھے اس لئے ان کی دلجوئی و سماعت کیلئے برآمدہ یا آنگن میں تشریف رکھتے مگر دل کہیں اور ہی ہوتا، سب کی خیر و عافیت دریافت فرماتے اور جلد ہی کہیں اٹھ کر جانا چاہتے، اگر کوئی اصرار کرتا تو تھوڑی دیر کے لئے رک جاتے، لیکن سب کو محسوس ہوتا کہ ع چسکا لگا ہے جام کا، شغل ہے صبح و شام کا۔ اب میں تمہارے کام کا ہم نفسو نہیں رہا، یہ صورت دیکھ کر لوگوں نے اصرار کرنا ترک کردیا، اور حضرت قبلہ کا اہل و عیال سے ملنا جلنا دس پانچ منٹ کا رہ گیا، باہر کے سفر بھی ترک فرمادیئے، ایم اے وغیرہ کے امتحانات کی ممتحنی وغیرہ سب چھوڑ دی، دارالمصنفین کے کام کے علاوہ خلوت کو زیادہ عزیز رکھتے۔

(سلیمان نمبر ص۳۳)

یہ حال تو ان کے روزانہ کے معمولات اور صبح و شام کی زندگی کا تھا باقی اس طرح کا حال ان کے لباس اور خورد و نوش کا تھا۔

پہلے لباس فاخرہ زیب تن فرماتے تھے، روزانہ کوئی نہ کوئی قیمتی کپڑا ضرور تبدیل کرتے تھے، شاید ہی کوئی دن ایسا گذرتا جس میں ایک دو دفعہ کپڑے استعمال کرکے دارالمصنفین نہ آتے ہوں، نادرشاہ نے ایک خلعت عطا کی تھی وہ بھی پہنتے تھے،

یوں بھی حضرت سید صاحب پر لباس فاخرہ بڑا زیب دیتا، کیونکہ وہ جسمانی لحاظ سے بڑے ہی خوبصورت تھے، کبھی علامہ شبلی اور ان کے شاگرد رشید حضرت سید صاحب کا ساتھ ہوتا اور دونوں سر پر عمامہ باندھتے تو علامہ شبلی سے کہیں زیادہ ان کے شاگرد پر عمامہ کھلتا اور خوبصورت نظر آتے اور اسی بنا پر علامہ شبلی کہتے بھی کہ بھئی تم پر عمامہ زیادہ زیب دیتا ہے، ہم باندھتے ہیں تو کوئی زیادہ اچھا نہیں لگتا۔ کھانے کا معاملہ یہ تھا کہ اچھی غذا کھانے کے عادی تھے مختلف انواع کے کھانے انہیں زیادہ پسند ہوتا، اور ایسی طبیعت کیوں نہ ہوتی جب کہ وہ ایک اچھے گھرانے کے فرزند تھے، ساتھ ہی پابندی اوقات زیادہ کرتے، وقت پر کھاتے بلا وقت کھانے کی طرف رخ بھی نہ کرتے، ان تمام باتوں کے باوجود جب تصوف کا رنگ چڑھ گیا تو دلفریب لباس اور لذیذ کھانے کی وقعت نظر سے گر گئی، اب لباس فاخرہ بکسوں ہی میں بند رہتے، ہر روز کیا لباس تبدیل کرتے تین تین دن تک ایک ہی لباس پہنے رہ جاتے، بعض لوگ کہتے حضرت تصوف کے یہ معنی تو نہیں کہ کپڑا نہ بدلا جائے، تو مسکرا کر فرماتے بھائی اب بوڑھا ہو چکا ہوں، ذہن سے اتر جاتا ہے آپ لوگ یاد دلا دیا کریں۔

کھانے کا وقت آجاتا اور آپ دارالمصنفین کی مسجد کے کسی گوشہ میں ذکر و اذکار میں مشغول رہتے گھر کے لوگ تلاش کرتے کرتے پہونچتے تو دیکھتے کہ حضرت سید صاحب بغیر کسی فرش کے زمین پر بیٹھ کر ذکر اللہ کر رہے ہیں نہ اپنے جاہ و مرتبت کا خیال ہے کہ فرش بچھا لیں اور نہ کھانے کی فکر ہے کہ وقت پر کھانا کھالیں۔ اور جب کہا جاتا تو فرماتے کہ بھائی،

"ان ظاہری باتوں میں کیا رکھا ہے"

یہ اس کا حال تھا جو قلم کا بادشاہ، علم کا دریا دنیاوی جاہ و جلال کا مالک تھا مگر جب اس پر حقیقت واضح ہوگئی تو ان تمام دلفریب چیزوں سے منہ موڑ لیتا ہے اور دنیا کی بڑی سے بڑی چیز بھی اس کے نزدیک ایک ادنیٰ چیز سے زیادہ کوئی وقعت نہیں رکھتی

درخواست بیعت:- جب مرشد و مرید کے درمیان مناسبت تامہ پیدا ہو چکی اور ایک متلاشی حق نے عملاً اپنی محبت و الفت کا ثبوت پیش کردیا تو مرشد تھانوی کی طرف سے حکم ملتا ہے کہ پچاس خطوط ہمارے پاس لکھ بھیجئے پھر بیعت کرلینے میں کوئی رکاوٹ نہیں، ساتھ ہی یہ بھی گنجائش دی کہ اگر آپ چاہیں تو چند روز ہی میں عدد پوری کرلیں بالآخر یہ عدد پوری ہوئی اور سید صاحب بیعت ہوگئے، بیعت ہوتے ہی حضرت تھانوی نے فرمایا کہ

"الحمد للہ کہ میرے حلقے میں سارے عقلا ہی آئے ہیں" بیعت ہونے سے قبل محبت پر عقیدت غالب تھی لیکن بیعت ہوجانے کے بعد عقیدت پر محبت غالب ہوگئی جو پائیدار اور دائمی ہوتی ہے، عقیدت کا شیشہ تو ادنیٰ ٹھیس سے بھی چور چور ہوجاتا ہے مگر محبت کسی صورت میں ختم نہیں ہوتی ــ اب دونوں حضرات کے درمیان انتہائی محبت بڑھ گئی سید صاحب نے اپنے تمام علمی وقار کو ترک کے شیخ کا انقیاد کامل اختیار کرلیا۔

ایک بار خانقاہ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر بڑے ہی پُردرد لہجہ میں فرمایا:

"جو کچھ لکھا پڑھا تھا سب ان بڑے میاں (حضرت تھانوی) کے قدموں پر لا ڈالا" (تذکرہ سلیمان ص۱۲۹)

اس سے صاف اور واضح الفاظ میں ایک دوسری جگہ لکھا ہے: کہ

"میرا مذاق تو یہ ہے کہ شیخ وقت قائم مقام نبی ہے ان امور میں جو مختص بالنبوۃ نہیں، غرض یہ کہ جس طرح نبی کی یہ شان ہے کہ لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ ونفسہ اسی کا عکس شیخ کے ساتھ ہونا چاہئے ــــ"

اس سے بڑھ کر شیخ کے ساتھ محبت اور کیا ہوگی کہ نجی معاملات کی بھی آگاہی اپنے شیخ کے یہاں کرتے اور اپنے باپ کے قائم مقام سمجھتے۔

ایک بار اپنی منجھلی لڑکی کی شادی کرنے کی ضرورت پیش آئی تو حضرت تھانوی کے متوسلین ہی میں سے ایک کے ساتھ بات چیت کی، اور جب اس میں کامیابی حاصل ہوگئی تو مولانا عبدالباری کے ساتھ خوشی کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

"آپ یہ سنکر خوش ہوں گے کہ میں اپنی منجھلی لڑکی کی نسبت ایک ایسے نوجوان صالح سے کر رہا ہوں جو حضرت مولانا تھانوی کے متوسلین میں ہیں ــــ"

ادھر حضرت تھانوی کو بھی حضرت سید صاحب کے ساتھ حد درجہ انسیت ہوگئی تھی اور چاہتے کہ کسی طرح سید صاحب کے ساتھ ملاقات ہوتی رہے اور راز و نیاز کی باتیں ہوتی رہیں، اور جب کبھی حضرت سید صاحب کی آمد ہوتی تو حضرت تھانوی اپنے ہی میں رہتے، اور ایک گھنٹے کی مجلس کو دو دو گھنٹہ طول دیدیتے ایسے جوش و خروش کے ساتھ باتیں کرتے کہ جیسے کوئی نوجوان ہوں، فرماتے کہ سید صاحب بہت صاف دل انسان ہیں۔

کبھی کہتے سید صاحب کی وجہ سے بڑا اطمینان ہے، جب رات کے دو بجے آنکھ کھلتی ہے تو جی چاہتا ہے کہ سید صاحب کو بلا کر باتیں کرتا رہوں لیکن پھر ان کی زحمت کے خیال سے چپ رہتا ہوں۔

ایک اور واقعہ سنئے اور دید کے ساتھ شیخ کی فرط محبت کا اندازہ لگائیے:

شیخ کی محفل آراستہ تھی، متوسلین و مریدین کا جم غفیر تھا، اور شیخ کا بیان جاری تھا کہ حضرت سید صاحب آتے ہوئے نظر آئے، بس بے ساختہ حضرت تھانوی کھڑے ہوگئے، سید صاحب نے بڑھ کر عرض کیا۔

حضرت تشریف رکھیں، تو ارشاد فرمایا واللہ میں تعظیماً کسی کے لئے نہیں اٹھتا، میں تو فرط محبت سے کھڑا ہوگیا۔

اگست سنہ ۱۹۳۸ء کو حضرت سید صاحب نے تصوف کی دنیا میں قدم رکھا اور اب اکتوبر سنہ ۱۹۴۲ء آپہونچا کہ راہ سلوک کے مسافر نے عشق و معرفت کی اتنی منزلیں طے کرلیں کہ خود حضرت تھانوی عہدۂ خلافت سے نوازنا چاہتے ہیں، اس کے لئے استخارہ کیا خوب سوچا غور کیا، بار بار غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہونچے کہ حضرت سید صاحب کو خلافت دے دی جائے، چنانچہ ایک خط کے ذریعہ اس کی اطلاع دی۔

اس خط کا ٹکڑا یہ ہے:

"ــــ میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کو خلافت دوں، میں نے اس سلسلہ میں استخارہ بھی کرلیا ہے، اب آپ کا کیا مشورہ ہے؟" چونکہ حضرت سید صاحب کا ارادہ دو ہی تین دن میں تھانہ بھون جانا تھا اس لئے کوئی جواب نہ دیا اور تھانہ بھون کو روانہ ہوگئے، وہاں گئے تو اس سلسلہ میں کچھ بات چیت نہ کی بالآخر ایک پرچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ملا کہ،

"آپ نے میرے استخارہ کا جواب نہیں دیا ــ"

مرشد کا حکم تھا کوئی نہ کوئی جواب دینا ہی تھا اور جواب دیا بھی مگر کتنی عجز و انکساری کے لہجہ میں، دیکھیں کس قدر ادب و احترام کے ساتھ جواب پڑھئے اور سید صاحب کی بے نفسی کا اندازہ لگائیے۔

جواب یہ ہے،

(۱) حضرت والا کا مکتوب گرامی پڑھ کر قدموں تلے سے زمین نکل گئی۔

کہاں میں اور کہاں یہ ذمہ داری"

حضرت تھانوی نرے ایک صوفی اور عالم ہی نہ تھے بلکہ حکیمانہ شان بھی پورے طور پر رکھتے تھے، انسانوں کے نفس کے بہت بڑے نباض تھے، یہ جواب جب پڑھا تو فرمایا کہ ــــ الحمدللہ وہی جواب آیا جس کی توقع تھی، اور اس کے بعد ہی خلافت باطنی سے سرفراز فرمایا۔ اور بعض زیر تربیت کو بھی اپنے خلیفہ مجاز کے سپرد کردیا، کل تک جو سلوک و تصوف کی دنیا سے ناآشنا، ذکر و اذکار کی لذت سے بے بہرہ، صوفیوں کی محفلوں سے دور تھا۔

آج وہ خود سالک بن کر دوسروں کی اصلاح کر رہا ہے، اس کا دل ذکر اللہ سے معمور اور رشد و ہدایت کے جذبہ سے بھرپور ہے، اور اس دنیا میں اس کی عظمت کی کرسی کسی سے پیچھے نہیں بلکہ سب سے آگے نظر آتی ہے جس کو خلافت دیتے وقت حضرت تھانوی نے فرمایا:

"ــــ کہ ہمیں اب کوئی فکر نہیں ہے اس لئے کہ ہمارے مرنے کے بعد سید صاحب جیسا آدمی بھی موجود ہے ــــ"

ع یہ اسکی دین ہے جسے پروردگار دے

اسلامی امتحانات

سنہ ۶۵ء میں جون کے بعد دسمبر میں

قواعد و نصاب

اور

پرانے پرچے مفت طلب فرمائیے

سکریٹری اسلامی امتحانات بورڈ اچھاور (بھوپال)

ایم پی

بے خدا زندگی

ابوالاسرار رومی اناوی

انبیاءؑ جتنے دنیا میں آتے رہے، دین فطرت کی شمعیں جلاتے رہے
اور شیطان اِن کو بجھاتے رہے، حق پہ باطل کے پردے گراتے رہے

آدمی آدمی کی پرستش کرے، آدمیت کی یہ سخت توہین ہے
اک خدا ہی عبادت کا ہے مستحق، جو خدا کو نہ مانے وہ بیدین ہے

رازِ راحت ہے پوشیدہ توحید میں، سارے امراض کی ہے یہی اک دوا
باز رکھتا ہے انسان کو جرم سے، صرف خوفِ خدا صرف خوفِ خدا

جتنے فرعون نمرود آتے رہے، اپنی شاہی کا سکہ جماتے رہے
ظلم ڈھاتے رہے خوں بہاتے رہے، اور قانون اپنا چلاتے رہے

زرد آندھی کہیں سرخ سیلاب ہے، جس طرف دیکھئے ایک طوفان ہے
رُوح بے چین ہے سخت ہیجان ہے، پوری دنیا کی دنیا پریشان ہے

قوم کے رہنما گر بتاتے رہے، اپنی دانشوری آزماتے رہے
رہ ترقی کی ہم کو دکھاتے رہے، درحقیقت وہ کانٹے بچھاتے رہے

نوعِ انساں کو پہنائی ہیں بیڑیاں، رنگ و نسل و زبان و وطن ذات نے
آگ نفرت کی پھیلائی ہے ہر جگہ، امتیازات نے ان خیالات نے

عیش بڑھنے لگا ہوش گھٹنے لگا، روح کھنچنے لگی جسم سڑنے لگا
اپنے مرکز سے انسانیت ہٹ گئی، اور چلن آدمی کا بگڑنے لگا

بے خدا زندگی کا نتیجہ ہے یہ، آج انساں گرفتارِ آلام ہے
برکتیں اٹھ گئیں خیر جاتی رہی، سب یہ قانون شکنی کا انجام ہے

نکاح

عفت و پاکدامنی کی حفاظت اور تمدن کی آبیاری کا ایک صحیح طریقہ

حبیب الرحمٰن ندوی

اسلام عفت و عصمت کا داعی اس کا نگہبان اور محافظ ہے۔ اس کے نزدیک یہ بات تو جائز ہے کہ عفت اور عصمت پر دنیا کی ہر چیز قربان کر دی جائے مگر یہ جائز نہیں کہ دنیا کی کسی چیز کے لئے عفت و عصمت کے پاکیزہ اور صاف و شفاف آبگینے کو کسی طرح کی کوئی ادنیٰ ٹھیس بھی پہونچائی جائے نکاح اور پردے کے اسلامی قوانین کا مطالعہ کریں وہ میرے اس دعویٰ کے ثبوت کے لئے وہ کافی ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ ایمانداری کے ساتھ ان کا دنیا کی دوسری تہذیبوں کے ساتھ تقابلی مطالعہ کیا جائے۔ یہ بات بڑی افسوسناک ہے کہ اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کا کوئی مطالعہ بھی نہ کیا جائے اور اس کو ملائیت اور قدامت پسندی کی علامت بھی تصور کیا جائے، آج دنیا کے نصف حصے پر مغربی تہذیب کا آفتاب روشن ہے لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس میں عفت و عصمت کی حفاظت کا اتنا بھی اہتمام کیا گیا ہے جسے اسلامی تعلیمات کا ایک چوتھائی حصہ بھی کہا جا سکے؟ آپ مغرب کی تہذیب جدید کا مطالعہ کریں آپ کو ماننا پڑے گا کہ عفت و عصمت کی حفاظت تو دور کی بات ہے مغربی تہذیب تو ابھی اس کے معنی و مفہوم کے تصور سے بھی آشنا نہیں، جبھی تو وہ مرد اور عورت کے جنسی تعلق کے لئے "نکاح کی ضرورت کو چنداں اہمیت نہیں دیتی اور" آزاد شہوت رانی "کے طریقے کو رواج دینا چاہتی ہے اس کا دعویٰ یہ ہے کہ ایک انسان اگر کھانے پینے، سونے جاگنے، چلنے پھرنے اور اٹھنے بیٹھنے میں کسی مخصوص قانون کا پابند نہیں تو جنسی اور بھی خواہشات کی تکمیل میں بھی اسکو کسی اصول اور ضابطے کا پابند نہیں ہونا چاہئے دوسرے لفظوں میں اسکی تخلیق ہی اس لئے ہوئی ہے کہ بے روک ٹوک جنس مقابل سے جس جگہ اور جس وقت وہ چاہے اپنی جنسی تسکین حاصل کرے، نکاح کا طریقہ تو گویا دو انسانوں کے درمیان ذاتی معاملات میں بیجا مداخلت کا ایک مذموم اور فرسودہ طریقہ ہے جس کی پابندی آزاد شہوت رانی کی راہ میں ایک کوہ گراں سے کم نہیں۔

اس سے قطع نظر کر شہوت پرستی کے اس انتہا پسندانہ نقطۂ نگاہ کے کیا نتائج برآمد ہوئے یا ہو سکتے ہیں، مجھے یہاں عرض کرنا صرف یہ ہے کہ اگر آزاد شہوت رانی کا یہی طریقہ کسی جگہ مکمل طور پر رائج ہو جائے اور اسی طرز پر دو تین نسلیں بھی تیار ہو جائیں تو ایسے معاشرے میں انسانیت و اخلاق، محبت و مروت اور عفت و پاکدامنی کا کیا حشر ہوگا؟ کوئی کس کو باپ کہیگا کس کو ماں اور کس کو بیٹا؟ جب ہر مرد ہر عورت سے جنسی بھوک مٹانے کے لئے آزاد ہوگا اور ہر عورت ہر مرد سے تو ایسی صورت میں کیوں کسی کے دل میں جنسی عمل کے نتائج یعنی بچوں کی پرورش کی خواہش پیدا ہوگی کس کو یہ یقین ہوگا یہ بچہ جس کے باپ ہونے کا شرف مجھکو عطا کیا جا رہا ہے یہ درحقیقت میرے ہی خون اور جسم سے پیدا بھی ہے، لے دے کر ماں رہ جاتی ہے لیکن تنہا صرف عورت کیا کر سکتی ہے وہ اگر بچے کی پرورش کرنا بھی چاہے تو سوسائٹی میں بچوں کے جھمیلے کے ساتھ کون اسکی طرف راغب ہوگا اس لئے ایسی صورت میں خاندانی منصوبہ بندی کے بجائے کیوں نہیں لوگ مکمل نسل کشی کے طریقے پر عمل کرینگے جبکہ مغربی ممالک میں یہ وبا عام ہوتی جا رہی ہے، آپ خود سمجھ سکتے ہیں ایسی صورت میں عفت و عصمت کا سوال کرنا کیسی مہمل سی بات ہوگی، یہاں تو اصل مسئلہ ہے نسل انسانی کے تحفظ اور اسکے بچاؤ کا آزاد شہوت رانی کی صورت میں نسل انسانی کی حفاظت کیونکر کی جا سکتی ہے؟ یہ ہے آج کا اصل سوال جسے تہذیب جدید کے علمبردار اگر حل نہیں کر سکتے تو دنیا کی کوئی طاقت ان کو تباہ اور برباد ہونے سے بچا ہی نہیں سکتی کیونکہ ہمیشہ سے دنیا کا یہ قدیم دستور رہا ہے کہ جب کوئی قوم شہوت پرستی میں مبتلا ہوئی تو وہ تباہ و برباد بھی کی گئی، روم و یونان ہی نہیں تاریخ میں ہزاروں قوموں کی داستانیں بکھری پڑی ہیں آپ ان کا مطالعہ کریں اور دیکھیں شہوت میں جب غلو کیا گیا تو لوگوں کا کیا حال ہوا جن لوگوں نے آلۂ تناسل کی پرستش کی زنا کو ایک مقدس مذہبی فعل سمجھا ان کا انجام کیا ہوا، یہ صحیح ہے کہ عیسائیت نے مذہب میں رہبانیت کا جوڑ لگایا اور مرد و عورت کے جنسی تعلق کی کسی جائز صورت حتیٰ کہ نکاح کو بھی جائز قرار نہیں دیا لیکن یہ کوئی صحیح راہ نہ تھی اور نہ فطرت انسانی کے مطابق، اس لئے یہ تصور ہمیشہ اور ہر دور میں ناکام رہا۔ امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں اسلام سے قبل عرب میں بھی مرد و عورت کے ازدواجی تعلقات کے لئے مختلف طریقے رائج تھے ایک طریقہ تو یہی تھا جو آجکل رائج ہے مگر اس کے علاوہ بھی ایک طریقہ یہ تھا کہ شوہر خود اپنی بیوی کو دوسرے مردوں کے تصرف میں دیدیتا کہ وہ دوسرے مردوں کی صحبت میں جا کر ان سے عمدہ نسل حاصل کرے۔ ایک طریقہ یہ تھا کہ ایک عورت بیک وقت نو نو مردوں سے تعلق رکھتی اور وہ خود ہی فیصلہ بھی کرتی کہ بچے کا باپ کون ہے؟

عرب میں جسم فروشی کا دھندا بھی رائج تھا جس کیلئے عورتیں اپنے گھروں پر باقاعدہ جھنڈے لگا رکھتی تھیں مگر خود امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ جب سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو آپ نے جاہلیت کے ان تمام طریقوں کی بنیاد کو ڈھا دیا اور صرف اس نکاح کو باقی رکھا جو آج مسلمانوں میں رائج ہے[1]

یہی نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا ایک جامع اور معتدل قانون بھی منضبط فرمایا اور اپنے متبعین کو یہ تاکید فرمایا کہ نکاح میری سنت ہے اگر تم نے میری سنت کے خلاف چلنے کی کوشش کی تو میرا تم سے کوئی رشتہ نہیں[2]۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ فرمایا۔ "نکاح نصف دین ہے" ذیل میں ایک خطبہ نقل کیا جاتا ہے جس میں نکاح کی اہمیت اور اس کی حکمت پر بڑی صفائی سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں، ایک دفعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نوجوانوں کو خطاب کیا اور فرمایا۔

[1] بخاری کتاب النکاح۔ [2] بخاری کتاب النکاح

یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر و احصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء۔
(نسائی ج ۲ ص ۴۳)

نوجوانو! نکاح کرو۔ نکاح آنکھوں کو بد نظری سے روکتا ہے اور شرمگاہ کی حفاظت کرتا ہے۔ تم میں سے جس کسی کو نکاح کرنے اور بال بچوں کی پرورش کی استطاعت نہ ہو تو اس کو روزہ رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ روزہ شہوت کو دبانے والا ہے۔

ایک دفعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص مسکین ہے جس کے بیوی نہیں۔

صحابہ کرام نے عرض کیا وہ شخص اگر کثیر المال ہو ــــ ؟

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"ہاں وہ کثیر المال ہی کیوں نہ ہو؟"

پھر آپ نے فرمایا۔
"وہ عورت بھی مسکین ہے جس کا شوہر نہیں چاہے وہ کثیر المال ہی کیوں نہ ہو؟ ــــ"

بعض لوگ کٹ حجتی اور طرح طرح کی تاویلیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں گھر میں سامان خورد و نوش نہیں مفلسی کا ڈیرہ ہے شادی کیسے کریں؟

ایسے لوگوں کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ قول یاد رکھنا چاہیئے۔

"ــــ لوگو! عورتوں سے شادی کرو وہ تمہارے یہاں مال و دولت کے لئے آنے کا ذریعہ ثابت ہوں گی۔"

مختصر یہ کہ اسلام نکاح کی تبلیغ ہی نہیں کرتا، اپنے متبعین کو نکاح کرنے کا حکم بھی دیتا ہے اور بتاتا بھی ہے کہ نکاح کیوں کرنا چاہیئے۔ کس سے کرنا چاہیئے اس کے کیا حدود اور کیا اصول ہیں، میاں بیوی میں نباہ نہ ہو سکے تو اسکی کیا صورت ہے اور ان تمام صورتوں میں میاں کے کیا فرائض ہیں اور بیوی کے کیا۔ تمام جزئیات کی تفصیل احادیث اور فقہ کی کتابوں میں بیان کر دی گئی ہیں، ضرورت ہے کہ ہم نہ صرف اُن کا مطالعہ کریں بلکہ اس کا عملی نمونہ بنکر دنیا کے سامنے اسلام کی صحیح ترجمانی بھی کریں کیونکہ یہی آج دین کی سب سے بڑی خدمت ہے اور اس کی سب سے اہم ضرورت جس کا پورا کرنا ہر مسلمان کا اولین فریضہ ہے۔

(لہ جمع الفوائد صــ۲۱۶)

بقیہ:۔ چار ہم معاصر علماء!

ان سے قبل ان کے یہ تینوں ہم نام سلیمان یکے بعد دیگرے داغ مفارقت دے چکے تھے اور ان تینوں کا نثری مرثیہ ان کے قلم سے معارف میں نکلا، جس موقع پر یہ چاروں سلیمان اکٹھے ہوئے تھے شاہ سلیمان نے یہ فقرہ ارشاد فرمایا تھا ــ پہلے سلیمان فرد تھا اور اب رباعی ہے (یعنی چار چار سلیمان یک جا ہیں)

سید صاحب نے شاہ صاحب کے وفات پر جو مضمون لکھا تھا، اس سے اس فقرہ کو نقل کرکے لکھا تھا۔

افسوس کی یہ رباعی قاضی سلیمان کی چند سال گذرے وفات سے مثلث بن چکی ہے اور اب سے دو صفر کو قطعہ ہو گئی (یعنی شاہ سلیمان کی وفات کے باعث) اب اس رباعی کے صرف دو مصرعے باقی ہیں خدا جانے یہ بھی کب اس صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ جائیں گے۔" واللہ ھُوَ الباقی"

اب یہ دو مصرعے بھی مطلع حیات سے غائب ہو چکے ہیں!
(سیاست جدید)

بقیہ:۔ کشمیر میں اسلام کی کہانی

سب کا قیام یہاں چار مہینے رہا۔ سلطان ملک گیری کرتا ہوا دہلی کے قریب تک پہونچ گیا تھا۔ فرمانروائے دہلی سے مقابلہ درپیش تھا۔ آپ نے کشمیر سے مراجعت فرماتے وقت بیچ میں پڑ کر دونوں میں مصالحت کرادی اس طرح ایک خونریز جنگ ہوتے ہوئے رہ گئی۔

آپ کا پہلی بار قیام کشمیر میں آفتاب ہدایت کی دوسری شعاع تھی جو شیخ شرف الدین کے بعد چمکی، امیر کبیر نمبر (ماہنامہ اذان سرینگر) کے صــ۱۴ پر مقالہ نگار غلام رسول صاحب کی تحقیق اس سے مختلف ہے، چنانچہ وہ اس شاہ سرخی" جناب امیر کا پہلا دورۂ کشمیر ۷۶۲ھ مقصد مرکز اسلام کا قیام" کے تحت یوں رقم طراز ہیں:

" اس وقت سلطان شہاب الدین
شہیری فرمانروائی کر رہے تھے جناب
(امیر) نے برادر عم سید تاج الدین
ہمدانی کو تحقیق حال کے لئے کشمیر بھیجا
جناب نے کشمیر میں جہالت اور پسماندگی
کا حال سنتے ہی کشمیر کا ارادہ فرمایا"

اتنا تو معلوم ہے کہ سلطان شہاب الدین کا سنہ وفات ۷۸۰ھ۔ اور سنہ جلوس ۷۶۱ھ ہے

لہ نزہۃ الخواطر صــ۸۳ جلد ثانی

لہذا فوق صاحب کے نقل کردہ بیان کے پیش نظر کہا جا سکتا ہے کہ ۷۶۱ تا ۷۸۰ کی درمیانی مدت میں حضرت امیر کی پہلی تشریف آوری کشمیر میں ہوئی ہے۔

محمد قاسم کاملی صاحب مؤلف رسالہ شاہ ہمدان لکھتے ہیں کہ حضرت امیر نے سلطان شہاب الدین کی تخت نشینی کے دوسرے ہی سال ۷۷۳ھ میں اپنے ابن عم کو تحقیق حال کے لئے کشمیر بھیجا، حالات معلوم ہو جانے کے بعد اگلے ہی سال ۷۷۴ھ آپ کی تشریف آوری ہوئی۔

مؤلف رسالہ نے سید محمد خاوری کا یہ قطعۂ تاریخ بھی نقل کیا ہے۔

میر سید علی شہ ہمدانی
سیر اقلیم سبعہ کردہ نکو
شد مشرف ز مقدمش کشمیر
اہل آں شد ازو ہدایت جو
سال تاریخ مقدم او را
گفتم از مقدم شریف بجو
۷۷۴

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پاک نہاد ہستی کے بارے میں بھی مختصرا کچھ جان لیا جائے۔ سید علی بن شہاب ہمدانی دوشنبہ کے دن ۱۲ رجب ۷۱۴ھ میں بمقام ہمدان پیدا ہوئے، مخزن ظاہری، مظہر تجلیات ربانی، عالم کامل عارف باللہ اور صاحب کرامات و خوارق عادات تھے، علوم ظاہری و باطنی میں آپ کو یہ کمال حاصل تھا کہ ایک سو ستر سے زائد کتابیں تصنیف فرمائیں۔ ذخیرۃ الملوک شرح اسماء حسنیٰ معجم الاحادیث۔ من اتیٰ الطالبین خاص مشہور ہیں (حدائق الحنفیہ صــ۲۹۶ صــ۲۹۸)

جواں سالی ہی میں سیاحت شروع فرمائی تھی۔ اکثر و بیشتر ممالک کا سفر فرمایا۔ آپ کے پیران طریقت میں ناموں کے ایک طویل فہرست ملتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ چار سو بزرگان دین اور پیران طریقت سے کسب فیض فرمایا۔

اول مرشد شیخ فرید الدین محمود بن عبد اللہ مزدقانی ہیں۔ آپ کا ورود کشمیر میں تین بار ہوا جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

بقیہ آئندہ شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں

(معروف الفاضلی متعلم دارالعلوم ندوۃ العلماء)

کشمیر میں اسلام کی کہانی

قسط دوم

سلطان صدر الدین کی حکومت صرف دو سال سات ماہ رہی۔ انتقال کے وقت حیدر خان نامی ایک لڑکا چھوڑا۔ ادھر اس نے آنکھیں بند کرلیں ادھر تخت سلطنت کے بارے میں جھگڑا پیدا ہوا۔ حیدر خان کو سب نے بالاتفاق برطرف کردیا۔ اور حکومت سلطان کی بیوہ کوٹہ رانی کے قبضہ میں آگئی۔ (کوٹہ رانی کشمیری زبان میں مادہ کبوتر کے لئے بولا جاتا ہے، یہاں ذرا حرفی تغیر ہوگیا ہے ورنہ مناسبت یہی ہوگی تاریخ اعظمی فارسی میں اس کا اشارہ ملتا ہے۔)

کوٹہ رانی نے اب راجہ سید دیو کے بھائی اودیان دیو سے شادی کرلی۔ اور شاہ میر کو منصب وزارت سونپا۔ چار سال تک ملکی معاملات امن و خوبی کیساتھ انجام پاتے رہے۔ لیکن ۱۳۳۱ء میں ایک بار پھر اہل کشمیر کو انتشار میں مبتلا ہونا پڑا۔ پریشانی اور بے اطمینانی کے آثار نمودار ہوئے۔ ہوا یہ کہ ایک ترکی سپہ سالار نے کشمیر پر دھاوا بول دیا۔ اودیان دیو مقابلہ کی تاب نہ لاکر تبت بھاگ کھڑا ہوا لیکن رانی نے بہمت و استقلال مقابلے کی ٹھان لی۔ اور شاہ میر نے اس سلسلے میں اہم خدمات انجام دیں، شاہ میر نے ہر طرف سے فوجیں جمع کرنی شروع کردیں اور سارے ملک میں جوش کی ایک آگ سی بھڑکا دی۔ دونوں فریق میں مقابلہ ہوا اور حملہ آور کو شکست ہوئی، یہ چونکہ شاہ میر ہی کا کارنامہ تھا لہذا ان کی قدر و منزلت بھی پہلے سے دوچند ہوگئی اور بہت سے اہم اختیارات ان کو حاصل ہوگئے، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ وہ سیاہ و سفید کے مالک ہوگئے تھے تو بیجا نہ ہوگا۔

ملک میں دوبارہ امن و امان کا دور آیا۔ اودیان دیو بھی واپس آگیا اور اسی حالت امن و امان میں پندرہ سالہ دور حکومت کے بعد اس دنیا سے ۱۳۴۱ء میں رخصت ہوا۔

شوہر کے مرنے کے بعد اب کوٹہ رانی کو خود مختارانہ حکومت کرنیکا خیال پیدا ہوا۔ اور وہ پچاس روز تک خود مختار ہوکر حکومت کرنے میں کامیاب بھی ہوئی لیکن عوام اس کارروائی سے دل برداشتہ ہوگئے اور رعایا بد امنی ... بے اطمینانی کے آثار پیدا ہوتے گئے۔

اب موقع آگیا تھا کہ شاہ میر کے دادا غورشاہ کی پیشنگوئی پوری ہو۔ شاہ میر اس موقع سے فائدہ اٹھاکر امراء و اعیان کو ہمنوا و ہمخیال بنایا، اور کوٹہ رانی کو تخت سلطنت سے بیدخل کرکے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی اور اس طرح وہ سواد کنر سے نکل کر کشمیر میں ۴۲ سالہ قیام کے بعد بالآخر وہ تخت شاہی حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے، اور اپنا لقب سلطان شمس الدین رکھا۔

کتب تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کشمیر میں بانی اسلام کا مرتبہ شاہ میر ہی کو حاصل ہے اگرچہ قارئین گذشتہ سطور میں ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ شیخ شرف الدین حسنیؒ کی آمد پر راجہ رینچن نے قبول اسلام کرکے ــــ سلطان صدر الدین کا لقب پایا تھا اور اسی سے شمع ہدایت کی پہلی کرن پھوٹی تھی۔ تاہم اس میں بھی بہت کچھ شاہ میر کی دیرینہ محبت و رفاقت کا بڑا اور اہم حصہ ہے ــــ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ راجہ رینچن کے دل پر اسلام کی شمع فروزاں کا عکس شیخ کی آمد سے پہلے ہی شاہ میر کی وجہ سے پڑ چکا تھا۔

گذشتہ سطور میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ قبول اسلام کے بعد سلطان صدر الدین کو بہت ہی مختصر مدت تک حکومت کرنیکا موقع ملا، یعنی ۷۲۵ھ سے ۷۲۷ھ تک اس کے انتقال کے بعد اشاعت اسلام کا وہ پہلا سا جوش و خروش باقی نہیں رہا! اور خود شیخ کا انتقال مؤلف رسالہ شاہ ہمدان کے بیان کے مطابق ۷۲۷ھ میں ہوگیا چنانچہ سلطان صدر الدین کے بعد کوئی مسلمان حکمراں تخت سلطنت پر متمکن نہیں نظر آتا ہے، یہاں تک ۱۳۴۳ء میں خود شاہ میر ہی حکمراں ہوتا ہے، سلطان صدر الدین کے بعد درمیانی مدت میں شاہ میر کے سوا کوئی اور مسلمان ہمیں اشاعت اسلام کیلئے سرگرداں نظر نہیں آتا ہے، ان تاریخی مقدمات کو ملانے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کشمیر میں اشاعت اسلام کا منصب شاہ میر ہی کو حاصل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ــــ یہ تو املا ملا حکومت میں یہاں آئے تھے لیکن ناظرین دیکھ چکے ہیں کہ ۱۹ء مطابق ۱۳۲۰ء میں وہ وارد کشمیر ہوتے ہیں اور حکومت انھیں ۷۴۳ء مطابق ۱۳۴۳ء میں ملتی ہے، یعنی لگ بھگ ۲۴ سال کی طول طویل مدت کے بعد۔ آخر کیسے مان لیا جائے کہ ۲۴ سالہ مدت میں شاہ میر محض بیکار بیٹھے رہے ہوں گے۔

سلطان شمس الدین و شاہ میر، بڑا لائق بادشاہ ثابت ہوئے، بہت سی خوبیوں کے مالک تھے، انھوں نے رفاہ عام کے بہت سے کام کئے، رعایا سے طرح طرح کے جابرانہ ٹیکس ختم کئے، سڑکیں درست کرائیں اور بہت سے تعمیری کارنامے انجام دیئے، وہ اگر ایک طرف رعایا پرور تھے تو دوسری طرف علم دوست بھی تھے ان کا دور حکومت امن و خوشحالی کا دور تھا۔ تین سال پانچ ماہ حکومت کرنے کے بعد ۷۴۷ء مطابق ۱۳۴۷ء میں انتقال ہوا اور دو لڑکے جمشید اور علی شیر چھوڑے جو کہ بعد دیگرے تخت سلطنت پر فائز ہوتے رہے۔

سلطان شمس الدین کے بعد خورشاہ کی پیشنگوئی کے مطابق بہت دنوں تک حکومت اسی کے خاندان میں منتقل ہوتی رہی۔ چنانچہ ۷۶۱ء میں سلطان شہاب الدین تخت پر جلوہ گر نظر آتا ہے، یہ اپنے وقت کا بڑے جاہ و جلال اور طمطراق گذرا ہے ــــ اس نے کثرت سے فتوحات حاصل کیں، یہی وہ خوش قسمت بادشاہ ہے جس کے عہد میں الشیخ السید علی بن الشہاب الہمدانی پہلی بار تشریف فرمائے کشمیر ہوئے۔

سلطان شہاب الدین کے عہد ہی میں امیر کبیر سید علی ہمدانی نے سید تاج الدین بھیجی، اس کے لڑکے سید حسن اور سید حید رکو تحقیق حال کے لئے کشمیر بھیجا چنانچہ یہ تینوں حضرات یہاں آئے اور حالات و تفصیلات معلوم کرکے گئے، اس کے بعد آپ خود تشریف لائے۔

محمد الدین صاحب فوق نے اپنی کتاب مکمل تاریخ کشمیر میں مصنف وقائع کشمیر کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپ سلطان کی آخری یورش کے دنوں میں تشریف فرمائے خطۂ کشمیر ہوئے، سلطان ملک گیری کی مہم پر باہر تھا۔ سلطان کے بھائی قطب الدین نے آپ کی بڑی خدمت کی اور عقیدت و احترام کا ثبوت دیا۔ اس موقع پر

(بقیہ صــ۱۰)

لہ نزہۃ الخواطر صــ۸۳ جلد ثانی۔

امریکہ کے نیگرو اسلام کے منتظر ہیں!

شہید مالکم ایکس سے ایک انٹرویو۔

ترجمہ از سید ضیاء الحسن ندوی

دوسری قسط

سوال ۳: جب یہ اختلافات اتنے گہرے ہیں کہ بنیادی عقائد تک اس سے متاثر ہو رہے ہیں تو کیا آپ کے نزدیک الیجا محمد کے پیروؤں میں کوئی تحریک اصلاح مستقبل میں کامیاب ہو سکتی ہے؟

جواب: نہیں! الیجا کے خیالات میں کوئی تبدیلی ناممکن ہے اس لئے کہ وہ ایک معمر اور نہایت سرکش آدمی ہے، وہ پوری سنجیدگی سے اپنے پیروؤں کو یہ باور کراتا ہے کہ وہ (نعوذ باللہ) محمد بن عبداللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بڑا نبی ہے، اس کا گھمنڈ اسے ہمیشہ اس اعتراف سے باز رکھتا ہے کہ اس کے اپنے معتقدین کو جھوٹی اور غلط باتیں سکھاتی ہیں، یہ اور بات ہے کہ اسکے فریب خوردہ پیرو حقیقی اسلام کو پالینے کے بعد اس کا ساتھ بالکل چھوڑ دینگے اور عنقریب وہ سچے دین اسلام کی تلاش شروع کر دینگے اور یہیں سے ہمیں امریکہ کے طول و عرض میں صحیح دین کی تعلیم دینے والے اسلامی مرکز قائم کرنے کی فوری ضرورت کا احساس ہوتا ہے اور ہم کے پہلے مرحلے کے طور پر امریکا کی نیگرو آبادیوں میں اس قسم کے مراکز کا قیام وقت کی اہم ترین اور فوری ضرورت ہے، کیونکہ امریکی نیگرو ہی وہ لوگ ہیں جنھیں اسوقت دین حق کی سب سے زیادہ تلاش ہے۔

سوال ۴: کیا آپ کے ساتھ الیجا کے بعض دوسرے پیروؤں نے بھی تحریک کو خیرباد کہہ دیا؟ اور کیا آپ کے خیال میں آپ کی علحدگی کا تحریک کی قوت پر کوئی نمایاں اثر پڑا ہے؟

جواب: یقیناً! جب الیجا کے بہت سے پیرو اسکی اخلاقی گراوٹ کا ساتھ نہ دے سکے تو ان کی نگاہوں میں مذہب کے دوسرے کمزور پہلو بھی کھٹکنے لگے، البتہ ہم ان "دین بیزاروں" کی کوئی نئی تنظیم کر سکے کیونکہ تنظیم جدید کے لئے خاصے سرمائے کی ضرورت تھی، اور ہم لوگ اپنا سارا مال الیجا کے ہاتھ میں چھوڑ آئے تھے، وہ آج اسی سرمائے سے فائدہ اٹھا کر ہمیں کچلنے کی کوشش کر رہا ہے اور ہمیں اپنی جماعت کو منظم کرنے...... نہیں دیتا ہے، اور صحیح اور سچے دین اسلام پہچاننے کے لئے امریکی نیگروؤں کی ہر کوشش کی مخالفت کر رہا ہے، اس نے اپنے فریب خوردہ پیروؤں کو حکم دے رکھا ہے کہ اس کے ماننے والوں میں سے ہر اس شخص کو جو دین حق اختیار کرنا چاہے اس سے روکا جائے اور ضرورت پڑے انکے قتل کرنے سے بھی دریغ نہ کیا جائے، کیونکہ اسے ڈر ہے کہ دین حق کی مقبولیت و اشاعت اسکی رسوائی کا ذریعہ بنے گی اور اس کے نتیجہ میں اسکی گمراہ کن تعلیم کا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔

سوال ۵: کیا آپ صرف الیجا اور اس کی جماعت کی مخالفت کا ارادہ رکھتے ہیں یا آپکے پاس کوئی نئی تنظیم قائم کرنے کا منصوبہ ہے؟ اگر جواب دوسری صورت میں ہے تو وہ کیا بنیادیں ہیں جن پر آپ کی نئی تنظیم قائم ہوگی؟ اور اس کے بنیادی اور فوری و مستقل مقاصد کس قسم کے ہیں؟

جواب: ابھی تک اپنے جمع کئے ہوئے مختصر سرمایہ کی مدد سے ہم محلہ ہارلم میں ایک مسجد اور اپنی نئی تحریک کے لئے ایک مرکز قائم کرنے میں کامیاب ہو سکے ہیں اور اس وقت ہمارا اولیں مقصد اسلام کی اس مسخ شدہ تصویر کو مٹانا ہے جس کی تبلیغ ہم اس سے پہلے کرتے تھے ہیں، ہماری مسجد کے دروازے ہر اس شخص کے لئے کھلے ہیں ـــــ جو صحیح اسلامی زندگی گزارنے کا ڈھنگ سیکھنا چاہتا ہو۔

افروامریکی اتحادی تنظیم

اس کے علاوہ چونکہ ہم امریکی نیگرو ایک ایسے معاشرہ میں سانس لے رہے ہیں جہاں سفید فاموں کا غلبہ ہے، اس لئے ہم نے ایک تنظیم قائم کی ہے جسکا مذہب سے کوئی بنیادی رابطہ نہیں ہے، اس تنظیم کا نام ہم نے "افروامریکی اتحادی تنظیم" رکھا ہے، اس کا مقصد تمام امریکی نیگروؤں کو بلا تفریق مذہب ایک ایسے پلیٹ فارم پر لانا ہے جہاں سے رنگ و نسل کے امتیاز کے خلاف جنگ کی جائے نیز امریکی معاشرہ میں سفید فاموں کی برتری سے پیدا ہونے والی سیاسی معاشی اور سماجی شرانگیزیوں کی بیخ کنی کی جاسکے

ہم مسجد میں اپنے بچوں کو مثالی زندگی گذارنے کا طریقہ بتاتے ہیں اور افروامریکی اتحادی تنظیم میں ہم زیادہ وسیع محاذ پر اپنا قومی وقار اور تمام امریکی نیگروؤں کے سارے حقوق حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔ اس طرح کہ اپنے کسی حق کے بارے میں وہ سفید فاموں سے پیچھے نہ رہیں اور اس مقصد عالی کے حصول کی خاطر تمام ضروری طریقے اختیار کرنے کے لئے ہم دل و جان سے تیار ہیں

سوال ۶: الیجا کی تحریک سے علحدگی کے بعد اس وقت تک آپ نے کیا کیا کام انجام دئیے ہیں؟

جواب: الیجا کی تحریک کو چھوڑنے کے بعد سے اب تک میں نے دو مرتبہ افریقہ کا سفر کیا اس سفر کی غرض و غایت اسلام اور افریقی حکومتوں کے متعلق اپنی صحیح معلومات میں اضافہ کرنا اور عالم اسلامی کو ان مسائل سے واقف کرانا تھا جن کا سامنا دین حق کے متلاشی امریکیوں کو اس وقت ہے، دوسری ہم نے اپنے افریقی بھائیوں کے سامنے ان مشکلات کی بہت واضح تصویر کشی کی جو اپنے انسانی حقوق حاصل کرنے کے سلسلے میں ان کے امریکی نیگرو بھائیوں کو درپیش ہیں۔

سوال ۷: کیا یہ صحیح ہے کہ الیجا سے علحدگی کے باوجود امریکہ میں آزادی کے لئے آپ کی جدوجہد کا مرکز اور میدان صرف سیاہ رنگ کا بنا رہا؟ آپ جیسی روح اور آپ کی جیسی نگاہ دوررس رکھنے والا شخص اسلام کی اس بنیادی فکر کو سمجھنے میں کیسے غلطی کر سکتا ہے جس کا اعلان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت کے شروع ہی میں پوری طاقت سے کر دیا تھا اور جس پر ہمیشہ آپ کی توجہ مرکوز رہی کہ تمام انسانی نسلیں ایک دوسرے کے برابر اور یکساں ہیں اور ان کی جڑ ایک ہی ہے، وہ فکر بلند جس نے ہمیشہ نسلی امتیاز اور اس کی نحوست کی بیخ کنی کی وہ قرآنی آیات اور احادیث جنھیں اس کا صاف صاف اعلان ہے بالکل مطلق ہیں ان میں کسی قسم کا حصر و استثنا نہیں ہے، اس کا سب سے بین ثبوت ہمیں اس تاریخی حقیقت میں ملتا ہے کہ اسلامی حکومتوں نے ہمیشہ مختلف رنگ و نسل و زبان اور مختلف جنس رکھنے والی قوموں کو ایک مقام پر رکھا، ان کے درمیان ان بنیادوں پر کوئی تفریق نہیں برداشت کی یہ ساری قومیں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر امن و آشتی کی زندگی گذارتی رہیں۔

جواب: میں ایک سیاہ فام امریکی ہونے کی حیثیت سے محسوس کرتا ہوں کہ میرا پہلا فرض ان ہی امریکی سیاہ فاموں سے متعلق ہے جن کی ساری تکلیفوں اور ذلتوں میں برابر کا شریک ہوں اور جن کی تعداد لگ بھگ سوا دو کروڑ ہے، اور میرا خیال ہے کہ میرا ذاتی مسئلہ بھی اس وقت تک حل نہیں ہو سکتا جب تک ان لاکھوں نیگروؤں کے مسائل حل نہیں ہو جاتے۔

لیکن مجھے اسوقت اپنی آرزوئیں خاک میں ملتی معلوم ہوتی ہیں جب میں دیکھتا ہوں کہ عالم اسلام امریکی نیگروؤں کے مسائل سے تغافل برت رہا ہے، اور مختلف اسلامی ملکوں سے آئے ہوئے مسلمانوں کی بڑی تعداد اپنی تبلیغی (کوششوں کو) جدوجہد کو صرف سفید فام امریکیوں تک محدود رکھتی ہے۔ صرف ان ہی کو دین حق کی تعلیم دینا وہ اپنا فرض سمجھتی ہے، حالانکہ ان لوگوں کو اپنی تبلیغی جدوجہد پہلے امریکی سیاہ فاموں پر مرکوز رکھنا چاہیئے۔

سوال ۸: اکثر اسلامی ملکوں کا متعدد بار دورہ کر چکنے کے بعد وہاں اسلام اور مسلمانوں کے حال اور مستقبل کے بارے میں آپکے اہم تاثرات کیا کیا ہیں؟

جواب: ہم ایک ایٹمی عہد کے دروازہ پر کھڑے ہیں، اس لئے جدید تعلیم اور تمدن سیکھنا خصوصاً ان ترقی یافتہ متمدن علاقوں میں ہمارے لئے انتہائی ضروری ہے، میرے خیال میں مسلم لیڈروں اسلامی معاشروں اور خصوصاً افریقی ملکوں نے تہذیب تمدن کی اہمیت پر جیسا چاہیئے ویسا زور نہیں دیا۔ چنانچہ جب افریقی ممالک آزاد ہوتے ہیں تو ان غیر مسلم اکثریت والے صوبے جنھیں متمدن افریقی نسبتاً زیادہ ہیں پورے ملک پر چھا جاتے ہیں اس لئے کہ حکومت کے کلیدی عہدے ایسے ہی لوگوں کے ہاتھ میں رہتے ہیں جو مہذب و مثقف ہیں۔ لہٰذا مسلم رہنماؤں کو ایسے مثالی تمدن کی ضرورت ہے جس کے ذریعہ وہ عوام کو نفع پہنچانے پر اپنی کوششیں مرکوز رکھیں، کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض چھوٹے موٹے لیڈر جو خود تعلیم و تمدن سے پوری طرح آشنا نہیں ہیں اور مسائل کو سمجھنے کی صلاحیت سے تقریباً محروم ہیں تو وہ جہالت کو عوام میں باقی رکھنا چاہتے ہیں تا، ان کے عہدے اور ان کی قیادت باقی رہے (لیڈر شپ پر آنچ نہ آئے) اس طرح عوام کی قوت فکر اور ان کی ذہنی نشوونما محدود ہو کر رہ جاتی ہے اسی لئے کہ ان کے لیڈر خود ان کی انتہائی محدود ذہن و فکر کے حامل ہیں۔

میں نے مشرق اوسط اور افریقہ کے جن جن ممالک کا دورہ کیا ان میں دیکھا کہ ہر ملک اتنا ہی ترقی یافتہ ہے جتنی ترقی یافتہ وہاں کی عورتیں ہیں اور اسی اعتبار سے اس کے پچھڑے ہوئے کا اندازہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ وہ ممالک جن میں عورت کو اور اس کے تہذیبی وقار کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے وہ خود بھی پچھڑے ہوئے اور غیر ترقی یافتہ ہیں، جہالت وہاں جڑ پکڑ گئی ہے (جہالت نے وہاں مضبوطی سے ڈیرا جما یا ہے) اسی کے ساتھ میں نے دیکھا کہ جن ملکوں میں عورتوں کو ان کا صحیح مقام دیا گیا ہے جہاں کے معاشرہ میں وہ اہم پارٹ ادا کر رہی ہیں وہ ممالک و تمدن کے لحاظ سے نہایت معیاری ہیں میرے خیال میں اسلامی کے علمبرداروں کو چاہیئے کہ وہ تہذیب و تمدن کے بارے میں عام طور سے ... تعلیم نسواں کے بارے میں خاص طور سے اسلام کی رائے کو واضح کریں اور اسکی تعلیمات پر خوب روشنی ڈالیں۔ اسوقت یہ بھی ضروری ہوگا کہ عالم اسلام کے تہذیبی معیار کو اونچا اٹھانے کے لئے ایک وسیع تر نظام قائم کیا جائے۔ اس بارے میں ایک پرانی افریقی مثل بہت مناسب ہے کہ "مرد کو سکھا کر (تعلیم دے کر) تم صرف ایک فرد کو سکھا سکو گے، عورت کو سکھا کر تم پورے خاندان کو سکھا لو گے"

سوال ۹: معلوم ہوتا ہے کہ افریقہ کے حالات کا آپ کا بہت گہرائی سے مطالعہ کیا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ اور تقریباً تمام اسلامی ممالک کا دورہ کر لینے کے بعد اسلام کی پوزیشن کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ اور اسلام کو ان لوگوں کی زبردست ...... جہالت سے بچانے کے لئے جو اسلام کے مقدم میں بظاہر اس کے ہم نوا ہیں آپ کے نزدیک کیا اقدامات کئے جا سکتے ہیں، نیز مذہبی تعصب صیہونیت اور الحاد کی خطرناک گروہ بندی سے اسلام کو محفوظ رکھنے کے لئے کیا کچھ کرنا پڑے گا؟

جواب: میں افریقہ کو اپنا اصلی وطن سمجھتا ہوں، اور اس کا استیصال کرنے والے ہر قسم کے سیاسی و اقتصادی غلبہ سے اسکو مکمل طور پر آزاد دیکھنے کا آرزو مند ہوں۔ اپنے انسانی اور قدرتی وسائل اور دولت کو دیکھتے ہوئے وہ آج ایک حقیقی کشمکش سے دوچار ہے، سامراجی ڈاکو جنیہ جنگ کے اسے چھوڑنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ ان کا سب مہلک اور موثر ہتھیار اس وقت "لڑاؤ اور حکومت کرو" "DIVIDE RULE" "فرق تسد" کی پالیسی ہے۔ چنانچہ مشرقی افریقہ میں آجکل آپ ایشیائی باشندوں کے خلاف ایک خاص رجحان پائیں گے مغربی افریقہ میں اسی طرح کے معاندانہ جذبات عربوں کے خلاف نظر آتے ہیں اور جہاں ایشیائی اور عرب نہیں ہیں وہاں آپ کو مسلمانوں کے خلاف عداوت پلتی ہوئی ملے گی نفرت و عداوت کے یہ جذبات تازہ نہیں ہیں اور نہ یہ مذکورہ گروہوں کی ذہنی کاوش کا نتیجہ ہیں، اس لئے کہ ان آپسی جھگڑوں سے ان گروہوں کو ذرہ برابر فائدہ بھی نہیں پہونچتا۔ ان سے فائدہ تو دراصل سابق سامراجی آقاؤں کو پہنچتا ہے جنھوں نے صیہونیت کی شکل میں اپنے مکروہ ہتھکنڈے پورے عالم اسلام پر مسلط کر رکھے ہیں اور یہودی بارہا دردو ظلم کا استعمال کرنیوالے دوسرے تمام گروہوں سے آگے بڑھ گئے ہیں، وہ اس مقصد کے حصول کے لئے بڑی نرم خوئی اور محبت کا مظاہرہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے شکار ہونے والوں کو محسوس بھی نہیں ہوتا کہ ان کے منصوبوں کے پیچھے کیا اغراض ہیں۔ صیہونیت میری رائے میں سب سے بڑا خطرہ ہے۔ یہ کمیونزم سے بھی بڑا خطرہ ہے اس لئے کہ اس کا طریقہ کار دلوں کو موہ لیتا ہے جس سے اس کی تخریبی کارکردگی میں اضافہ ہو جاتا ہے،

اور جب یہ حقیقت ہے کہ عربوں کی ہر بات کو عوامی ذہن اسلام کی بات سمجھتا ہے تو یہ بھی ضروری ہے کہ عالم عربی اپنے اوپر عائد ہونے والی دوہری ذمہ داریاں پوری کرے۔ اسلام اتحاد اور بھائی چارہ کا دین ہے اسی لئے اسلامی تحریک کی قیادت کرنے والوں کو بذات خود اتحاد اسلامی اخوت کا دلکش نمونہ ہونا چاہیئے تاکہ شہر مکہ کی مجلس عالیہ اور رابطہ عالم اسلامی کو چاہیئے کہ وہ ایک چوٹی کی دینی کانفرنس طلب کرے اور یہ دونوں خود عالم اسلامی کی قیادت کے سلسلے میں اپنی ذمہ داریوں کے اعلےٰ معیار کو پورا کریں، ورنہ نئی نسل میں جو کہ اسلام کے مستقبل کے بارے میں بہت زیادہ پرامید ہے، نئی طاقتیں ابھریں گی اور مرکزی اقتدار کو ان ہاتھوں سے جنھیں وہ اس وقت سے چھین کر دوسروں کے سپرد کر دیں گی،

اور اللہ اس پر ہر وقت قادر ہے۔

"فان یکفر بھا ھؤلاء فقد وکلنا بھا قوما لیسوا بھا بکافرین"

لے تعلق کی بہت سے روشناس کرائیں اور اس کی اشاعت۔

شاعر کا نغمہ

مصطفیٰ حسین منظر جلیسری

چاہوں تو بنا ڈالوں جذبات کی تصویریں
لکھدوں تو ہوں دو مصرعہ کونین کی تفسیریں
اٹھوں تو جگا دوں میں سوئی ہوئی تقدیریں
روتوں کو ہنسا دوں میں
منظوم ترانوں سے
ہنستوں کو رُلا دوں میں
معصوم بہانوں سے
فتنوں کو جگا دوں میں
مغموم فسانوں سے
یک راز ہوں فطرت کا سمجھو تو میں سب کچھ ہوں

میں آپ مسافر ہوں اور آپ ہی منزل ہوں،
آوارۂ طوفاں ہوں آسودۂ ساحل ہوں،
میں آپ ہی مجنوں ہوں اور آپ ہی محمل ہوں
دشواری و مشکل کو
آسان سمجھتا ہوں،
ہر عاقل و دانا کو،
نادان سمجھتا ہوں،
محبوب کا فرمانا،
ایمان سمجھتا ہوں
جویائے محبت ہوں دیکھو تو میں سب کچھ ہوں

بت خانۂ ہستی میں ہم شکل برہمن ہوں
اور کعبہ و مسجد میں خوش لحن مؤذن ہوں
میخانۂ مستی میں خوددار ہمہ تن ہوں
پھولوں میں تو رہتا ہوں،
میں بوئے وفا بن کر
انسانوں کے سینوں میں
اِک شانِ خدا بنکر
اور دل میں عنادل کے
الفت کی ہوا بنکر
فطرت کی کسوٹی ہوں پرکھو تو میں سب کچھ ہوں

ہر گوشۂ عالم میں نغمہ ہے مرا روشن...،
ویرانہ ہو یا بستی صحرا ہو کہ ہو گلشن
حسن اور محبت میں کچھ ساز ہے کچھ انبن
میخوار کی نیت ہوں،
بھرتی نہیں پینے سے
ساقی کی طبیعت ہوں،
رہتا ہوں قرینے سے
جویائے محبت ہوں —،
واقف نہیں کینے سے
ہر قسم کا منظر ہوں دیکھو تو میں سب کچھ ہوں

بقیہ صفحہ ۲ کا مضمون

قرار دیتا رہتا ہے، ابھی بنگلور میں کانگریس کمیٹی کا جو اجلاس ہوا ہے اس کے بنر کار کے نام نہاد قوم پرور دل نے بھی اپنی ایک مخصوص نشست کی تھی کہ وہ مسلمانانِ ہند کی صادق علی درخواست کی تھی کہ وہ مسلمانانِ ہند کی رہنمائی کریں۔ سبحان اللہ غلام صادق اور مسلمانانِ ہند کی رہنمائی، بنگلور میں جمع ہونے والے مٹھی بھر نام نہاد قوم پرور گویا چھ کروڑ مسلمانانِ ہند کے نمائندے تھے اور مسلمانوں نے یہ خدمت ان کے سپرد کی تھی کہ وہ، غلام صادق کو ان کی رہنمائی کے لئے میدان میں لائیں — مسلمانانِ ہند ان کی قیادت و رہنمائی کے لئے بے قرار ہیں اور غلام صادق صاحب نے وقت کے وقت یہ فرما کر مسلمانانِ ہند کی قیادت و رہنمائی کا حق بھی ادا کر دیا کہ آرڈیننس سے مسلم یونیورسٹی کے کردار کو، کوئی نقصان نہیں پہونچتا۔

غلام صادق صاحب کشمیر کے وزیر اعظم ہی نہیں شیخ الاسلام اور مسلمانانِ ہند کے مفتی اعظم بھی ہیں۔ حکومت کے اربابِ فہم و بصیرت کو کیا کہا جائے جو ایسے مفاد پرستوں پر اعتماد کرتی ہے اور نہیں سمجھتی کہ ایسے لوگ مسلمانوں میں کوئی مقام رکھتے ہیں اور نہ وہ حکومت کے بہی خواہ ہیں، وہ

عوام کو بہلا رکھا ہے تو حکومت کی اس بے خبری پر جتنا بھی افسوس کیا جائے وہ کم ہے۔ مسلمانانِ ہند کے جذبات کا صحیح اندازہ ہندی اور انگریزی اخباروں سے نہیں ہو سکتا جن کا شیوہ حقیقت پر پردہ ڈالے رکھنا ہے

ہیں لیکن مصیبت تو یہ ہے کہ اربابِ حکومت کی اکثریت اردو ا[خبارات] جانتی ہی نہیں۔ وہ سی آئی ڈی کے ذریعے سے اردو اخبارات کو سمجھتی ہے مسلمانوں کیلئے ایک اہم مسئلہ وہ مسلمان ہیں جو حکومت کر اہم اور اعلیٰ مناصب پر فائز ہیں، مثال کیلئے ہندوستان کے نائب صدر جمہوریہ اور مرکزی وزیر تعلیم مسٹر چھاگلا ہی کو لیجئے، وہ مسلم اور غیر مسلم ممالک کے دورے پر جاتے ہیں اور حکومت کے وکیل صفائی بن کر دنیا کو بتاتے ہیں کہ ہندوستان میں مسلمانوں کا کوئی مسئلہ نہیں ہے مسلمانوں کو اکثریت کے برابر حقوق حاصل ہیں، مسلمان پارلیمنٹ اور ریاستی حکومتوں کے ممبر ہیں وزیر ہیں، گورنر ہیں، بیرونی ممالک میں سفیر ہیں۔ دنیا کھلی آنکھوں سے دیکھتی ہے کہ حکومت ہند کی صفائی دینے والے غیر مسلم نہیں مسلمان ہیں اور نائب صدر جمہوریہ اور مرکز کا وزیر تعلیم ہیں تو دنیا کیسے یقین نہ کرے کہ واقعی ہندوستان میں مسلمانوں کا کوئی مسئلہ نہیں ہے اور ان کو اکثریت کے برابر حقوق حاصل ہیں۔

یہی مسلمان حکومت کے لئے بھی اطمینان کا باعث بنے ہوئے ہیں جو وہ مسلمانوں کی پرواہ نہیں کرتی، وہ سمجھتی ہے کہ ملک کے اندر بھی اس کے حامی مسلمان موجود ہیں اور ملک کے باہر دنیا کے سامنے بھی اس کی صفائی پیش کرنے والے معتبر مسلمان وکلاء بھی ہیں! ایسے سرکاری مسلمانوں کے اس پردۂ فریب کو چاک کیا جائے اور دنیا کو یہ موٹی سی بات سمجھا دیجائے کہ حکومت کے ایک مشین کے پرزے ہیں اور اس کے اپنی مرضی...

”نذرانہ“

اویس شاکری بارہ بنکوی

انوار کا وہ مرکز، وہ علم کا کاشانہ
وہ جسکی زمانے سے فطرت ہو جداگانہ
وہ جس کی محافل کے، اطوار کلیمانہ
مسعودؔ[1] و سلیماںؔ[2] سے افراد کئے پیدا
وہ جسکا ہر اک ذرہ سرشار نظر آئے
صہبائے رسالتؐ سے مخمور جہاں نظریں
وہ جس کے یہاں دن میں پیمانے چھلکتے ہیں
اربابِ نظر جس کو، فردوس زمیں کہتے
وہ جس کی اداؤں میں، وہ جسکی فضا ذہنیں
محتاج بصیرت کو، کیا خاک سکوں آئے
ہے ذوق نظر جسمیں، ندوہ کو پرکھ لیگا

ہو شمع کوئی جیسے، ہر ایک ہے پروانہ،
وہ جس کے نئے جلوے، انداز قدیمانہ
وہ راس جسے آیا، ہر جلوۂ جانانہ
وہ جس نے علیؔ[3] کو بھی، دی ہمت مردانہ
وہ جس کا ہر اک میکش، بے بادہ ہے مستانہ
عصر ہے جہاں قائم، توحید کا میخانہ
اور رات میں ہوتا ہے، آباد حنا خانہ
شبلیؔ[4] و مونگیریؔ[5] کی اک جرأت رندانہ
ہے شان شہنشاہی، گو حال گدایانہ
ہر گام پہ ملتا ہے، گو درس حکیمانہ
وہ ندوہ کہ صدقے ہو، ہر عظمت شاہانہ

نسبت ہے ہر رئیس ہم کو، ہر ذرۂ ندوہ سے
قسمت ہے یا نسبت، کہدیں مجھے دیوانہ

[1] مولانا مسعود عالم ندوی [2] سید سلیمان ندوی [3] مولانا سید ابوالحسن علی ندوی [4] مولانا شبلی نعمانی
[5] مولانا محمد علی مونگیری

ہی خواہ ہیں اپنی ذات اور اپنے مفاد کے، ان کی روش مسلمانوں کو حکومت سے قریب نہیں کرتی وہ اس سے دور اور دور ہے چلی جا رہی ہے۔ مسٹر چھاگلا اور مسٹر علی یاور جنگ ہی سے حکومت کو اندازہ کر لینا چاہئے کہ مسلمانوں کے جذبات ان معززین حکومت سے کس قدر برہم ہیں، اگر حکومت نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ کچھ فرقہ پرستوں نے مسلم

سنج کرکے پیش کرتا ہے، حکومت کو اردو اخبارات کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ حکومت کیلئے اخبارات کا مطالعہ کوئی مشکل نہیں ہے، وہ جن زبانوں کے اخباروں کو پسند کرتی ہو ان کا مطالعہ کرے، اس کو صحیح حالات معلوم کرنے کے مقصد سے اخباروں کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ اور مسلمانوں کے جذبات واحساسات اسے مسلمانوں کے اردو اخبارات ہی سے معلوم ہو سکتے

مسلمان اپنی ذات سے مسلمان ہوتے ہوئے بھی حکومتی مشین کے کل پرزے ہیں، وہ حکومت میں مسلمانوں کے نمائندے نہیں ہیں، وہ نمائندے ہیں حکومت کے، وہ اسی کی زبان سے بولتے اور اسکی ترجمانی کرتے ہیں۔ جبتک اندرون ملک مسلمانوں کو نام نہاد قوم پرور مسلمانوں کی اور بیرون ملک دنیا کو سرکاری مسلمانوں کی حقیقت سمجھا نہ دیجائے گی مسلمان ملکی زندگی سے دور سے دور

تر ہوتے چلے جائیں گے اور انکی ذلت، بے بسی اور کس مپرسی بڑھتی ہی چلی جائے گی اور بالآخر واقعی مسلمان، چھوٹ چھوڑ کر رہ جائینگے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ مسلم زعماء دہلی والہ آباد مسلمان اخبار نویس ہی مسئلے کے

حلقۂ مطالعہ

بیجا عقیدت اور اندھی دشمنی

محمد حمید اللہ مُناوری درجہ ششم

انسانی گمراہی کے اسباب میں سے دو اہم ترین سبب محبت اور دشمنی بھی ہیں، ہر قوم بلکہ ہر فرد کے لئے وہ وقت بڑے آزمائش کا ہوتا ہے جبکہ وہ کسی سے عقیدت یا کسی کی مخالفت میں مبتلا ہو، کیونکہ ان دونوں میں اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جانے اور عقیدت یا دشمنی میں اپنے حدود سے تجاوز کر جانے کا ہر آن خطرہ لگا رہتا ہے دوں میں کسی کی عقیدت، اور کسی سے عناد، یا اصولی اور نظریاتی اختلاف رائی وغیرہ ایسی باتیں ہیں جن سے روزمرہ ہم بھی دوچار ہوتے رہتے ہیں، اور تقریبًا ابتدائے آفرینش ہی سے انسان کی یہ فطری عادت رہی ہے مگر تاریخ کا کتنا تلخ تجربہ ہے کہ بہت کم انسان ان دو نازک ترین مرحلوں میں مبتلا ہو کر اعتدال کی راہ پر قائم رہے ہوں۔

گمراہی کے اس عظیم پہلو کو سمجھنے کیلئے تاریخ کے صفحات پر سرسری نظر ڈال لیجئے، ابتداً میں بت پرستی کا عام رواج نہیں تھا ایک کے سوا کسی دوسرے معبود سے انسانیت آشنا نہیں تھی، کہ یکایک گمراہی آباؤ اجداد کی اندھی محبت کی شکل میں نمودار ہوئی اور اسی نے جھوٹے تقدس کا جامہ پہنکر انسان کو ایسی باتیں سمجھائیں کہ گمراہی کا دروازہ کھل گیا، ابتدا آباؤ اجداد کی تصویروں سے ہوئی پھر مجسمے اور جلد ہی وہ نامبارک دن بھی آگیا جس میں یہی مجسمے امردنہی کے مالک اور انسان کے مقدس معبود بن گئے، یہ وہ حقائق ہیں جنھیں تاریخ اپنے اندر لئے ہوئے ہے، یہ انسان کی تاریخ کا ایک سیاہ ترین باب اور غم انگیز داستان ہے، کس حسن نیت کے ساتھ انسان نے اپنے محبت بھرے جذبات کو تسکین دینے کا سامان مہیا کیا تھا اور کس طرح اسی سامان تسکین نے گمراہی کو ایک محبوب ترین چیز بناکر پیش کر دیا دور نہ جائیے اپنے اسی وسیع و عریض ملک ہندوستان میں ہی آپ جو ان گنت دیوی اور دیوتاؤں کو پوجتا ہوا دیکھتے ہیں اور جن کے نام پر میلے اور جشن منائے جاتے ہیں ان پر نذر و قربانی اور بھینٹ چڑھائے جاتے ہیں اور انسان کی وہ پیشانی جو صرف مالک حقیقی کے سامنے جھکنے کیلئے تھی ان پتھر کے ٹکڑوں کے سامنے جھکی ہوئی ہے، تو ان کی حقیقت کیا ہے، اور کس تدریج کے ساتھ ان دیوی دیوتاؤں کو منظم کائنات کا چلانے والا سمجھ لیا گیا — تاریخ پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ بعینہ وہی بات یہاں بھی پیدا ہوئی جو ابتداً جاہل عربوں میں تھی، اور جس سے ہر جگہ گمراہی کی ابتدا ہوتی ہے غلو آمیز عقیدت اور اندھی محبت ہی نے ان کو آہستہ آہستہ گمراہی یعنی بت پرستی تک پہونچایا۔

ایک مصنف نے سچ ہی لکھا ہے:

"شرک کا بہت بڑا ذریعہ کسی شخص یا کسی چیز کی حد سے بڑھکر عزت کرنا ہے، اس ہلاکت آفریں مرض نے بہت سی قوموں اور امتوں کو ضلالت کے گڈھوں میں ڈھکیل کر ہمیشہ کیلئے پامال کر دیا اسی خوش اعتقادی نے گوتم بدھ کو خدا کا مظہر بنایا، رامچندر اور کرشن کو خدائی کا درجہ دیا ۳۳ کروڑ دیوتاؤں کو دنیا کا منتظم مانا، تبت میں دلائی لامہ کو خالقیت کی مسند پر بٹھایا، مسیح ابن مریم کو خدا کا بیٹا کہلوایا۔"

یہ انسان کا مہلک ترین مرض ہے جو گھن کی طرح فرد میں پیدا ہو جائے تو فرد کو اور قوم میں پیدا ہو جائے تو قوم کو اندر سے کھوکھلا بے وزن اور کمزور کر کے اسکی عملی اسپرٹ کو ختم کر دیتا ہے وہ انسان کو جرأت و بیباکی شجاعت اور بہادری جیسے عظیم جوہروں سے محروم کر دیتا ہے اب وہ کائنات کا آقا بننے کے بجائے ہر ایک کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کو تیار، ہر ایک سے مرعوب اور خوفزدہ اور ہر صاحب تیغ و مزرشتی کی عظمت اسکے دل میں گھر کر لیتی ہے پھر دنیا میں بھی ذلت و خواری کے سوا اس کے لئے کچھ نہیں ہوتا، دنیا کے ایسے ہی گھناونے ماحول میں اسلام نے آکر انسان کو سچی محبت سے آشنا کیا اسکے جذبات کی تسکین کیلئے سامان مہیا کیا اور عقیدت کی حدیں متعین کیں، اور ان حدود کو تجاوز کرنے سے ..... سختی سے منع کیا، نبی نے اس پر آخری دم تک زور دیا کیونکہ آپ دوسری قوموں کی عبرتناک حالت دیکھ رہے تھے، اس لئے آپ کو اپنی امت کی جانب سے بھی اس مرض میں مبتلا ہو جانیکا قوی اندیشہ تھا آپ نے اسی مرض کے مہلک نتیجہ سے ڈرایا دوسری قوموں کا حوالہ دیتے ہوئے زندگی کے آخری لمحات میں بھی آپ نے آگاہ کیا کہ میری امت اوروں کی طرح اس مرض میں مبتلا نہ ہو جائے۔ لیکن یہ کتنی تکلیف دہ اور غم انگیز بات ہے کہ آپکا یہ شبہ صحیح ثابت ہوا اور امت میں جلد ہی یہ مرض پیدا ہونا شروع ہو گیا بزرگوں اور اولیاء اللہ سے غلو آمیز محبت نے اپنے اثرات پھیلانے شروع کئے وہ پیشانیاں جنہوں نے شان عبدیت پیدا کرنے کیلئے اپنی عمریں صرف کر دیں اب ان کو ما فوق البشر سمجھا جانے لگا جنہوں نے کفر و ضلالت کی بیخ کنی کرنے کیلئے اپنی عزیز سے عزیز متاع کو بھی قربان کر دیا اب انھیں خدا کی ذات میں شریک کیا جانے لگا اور وہ ذات جس کا وجود ہی شرک کو مٹانے کیلئے تھا یعنی نبی ان کو بھی تبدریج مرتبہ الوہیت تک پہونچا دیا گیا الغرض اس مرض سے توحید کی واحد علمبردار ملت بھی نہ بچ سکی، حالانکہ ہم اس ملت کی ابتدائی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ایک زندہ و جاوید نڈر، بہادر، اور شجاع ببانگ دہل حق کا اعلان کرنیوالی قوم نظر آتی ہے، حق کے راستہ میں کٹ جانا، اپنی عزیز سے عزیز متاع کو اس راہ میں کھو کر خوش ہونا میدان جنگ میں پسپائی کے بعد بھی ماتم کرنے کے بجائے قوت و بہادری سے دشمن کا مقابلہ کرنا اس کے خصوصیات میں سے تھا، اور یہ ایک عروج پذیر قوم کی نشانیاں ہیں لیکن اسوقت بالکل اس کے برعکس حالت ہے اب اسکا کام اپنے اسلاف کے کارناموں پر فخر و مباہات یا انکی شہادتوں پر ماتم و شیون رہ گیا ہے اب انکی امیدیں خدا اور رسول سے ہٹ کر اپنے اسلاف کی مزاروں سے وابستہ ہونے لگی ہیں مثال کے طور پر صرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کو لے لیجئے، یہ بات کسی پر پوشیدہ نہیں ہے کہ ان کی شہادت پر کتنی آنکھیں اشکبار ہوئیں، لیکن کوئی یہ بتلائے کہ کتنے آنسو ہیں جو انسانیت کے لئے اپنے ساتھ کوئی پیغام لائے، کتنی آہیں ہیں جنہوں نے پیغام عمل سنایا — اور حق پرستی پر ابھارا، کتنے محبت کے دعوے ہیں جنہوں نے عملی صورت اختیار کی، یہ چیزیں آج معدوم ہیں، آج حسین کی یاد میں آنکھیں روتی ہیں لیکن چند قطرے بہا لینے کے سوا کچھ حاصل نہیں، کیا حسین کی شہادت کی وجہ سے ہم تا قیامت تک صرف آنسو بہاتے رہیں؟ یہ تو نہایت ہی بیجا سبق ہوگا؛ حالانکہ ان کا خون زبان حال سے یہ کہہ رہا تھا کہ دنیا میں رہکر باطل کا سر کچلنے اسکو مٹانے، انسانیت راہ راست پر لانے، اور استقامت علی الحق کیلئے جان و مال بلکہ ہر چیز قربان کی جا سکتی ہے یہ سبق انکی شہادت سے لیا جا سکتا ہے، انکے علاوہ ہمارے اسلاف اور تمام بزرگوں نے تا حق میں جو کچھ بھی قربانیاں دی ہیں وہ سب ہمارے لئے صرف اسی لئے ہیں کہ ہم ان کو مشعل راہ بنائیں اور بیجا عقیدت یا اندھی

مکتبہ دار العلوم کی دوسری مطبوعات

دہلی اور اسکے اطراف

از مولانا حکیم سید عبد الحی صاحب [illegible]

یہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا ایک سفرنامہ اور روزنامہ ہے جو انیسویں صدی کے اخیر میں لکھا گیا تھا اس سفرنامے سے اندازہ ہوگا کہ گذشتہ صدی کے علما کس ثقافت اور علم کے حامل تھے اور ان کا مطالعہ کتنا وسیع، متنوع اور پختہ تھا، آپ کو اس سفرنامہ میں شعر و سخن کا ذوق سلیم، گہری تاریخی واقفیت، سلاسل تصوف اور دینی شاخوں اور قصبوں پر اطلاع، متقدمین کی تصنیفات اور کتابوں سے آگاہی اور ان کے مسلک اور عہد کے نشانات جا بجا ملیں گے قیمت مجلد [illegible] روپیہ

جزیرۃ العرب

از مولانا [illegible] ندوی [illegible]

[illegible]

قیمت [illegible] روپیہ

تذکرہ حضرت مولانا فضل رحمن [illegible]

از مولانا ابو الحسن علی حسنی ندوی

چودھویں صدی ہجری کے مشہور [illegible] حضرت مولانا فضل رحمن گنج مراد آبادی کی سوانح حیات، حالات، ارشادات و ملفوظات [illegible] تصوف، شریعت سے علیحدہ کوئی چیز نہیں بلکہ عین شریعت کی روح ہے، وہ حضرات [illegible] اور یقین کے طالب ہیں ان کیلئے یہ کتاب بیش قیمت تحفہ ہے۔

قیمت [illegible]

العقیدۃ الحسنۃ

از مولانا محمد اویس صاحب ندوی شیخ التفسیر دار العلوم ندوۃ العلماء

یہ کتاب شاہ ولی اللہ کے رسالہ العقیدۃ الحسنۃ کی شرح ہے، اس کتاب میں نازک اور پیچیدہ مسائل اس طرح آسان اور واضح کر دیئے گئے ہیں کہ طلبا تھوڑی سی محنت سے بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں، مولانا نے اس سلسلہ میں ابن تیمیہ، ابن قیم اور بعض دوسرے ائمہ کی کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے، مدارس عربیہ کیلئے ایک بیش بہا کتاب، طلبہ اور اہل علم کیلئے بہترین تحفہ۔

قیمت [illegible]

سیرت حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ

از سید محمد الحسنی، مدیر "البعث الاسلامی" و "تعمیر حیات"

پیش نظر کتاب میں مولانا سید محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ بانی ندوۃ العلماء کی شخصیت [illegible]

[illegible]

مسئلہ ختم نبوت علم و عقل کی روشنی میں

تالیف: مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی ندوی [illegible]

اس کتاب میں مسئلہ ختم نبوت [illegible]

[illegible] روشنی کا ایک عظیم [illegible]

قیمت [illegible]

تمرین الصرف — تمرین النحو

جب سے مدارس میں [illegible]

[illegible] دار العلوم کے فضلاء مولانا [illegible] ندوی، مولانا عبد [illegible] ندوی، مولانا [illegible] اللہ ندوی نے مرتب کیا ہے۔

قیمت بالترتیب [illegible]